سائنس کے

سو خیال

شو برت لال ورمن

سائیں کے نئو خیال

اعلےٰ درجہ کے

رُوحانی اَخلاقی وحقّانی سبق

از

شری شیوبرت لال ورمن

کتھا کیرتن کل بشے بھوساگر کی ناؤ
کہیں کبیر جگ ترن کو ناہیں اور اُپاؤ
کتھا کیرتن کل بشے جا کا اُتم ایہہ
کہیں کبیر تا داس کی ہم چرنن کی کھیہہ
کتھا کرو کرتار کی نس دن سانجھ سوار
کام کتھا کو پرہرو کہیں کبیر وچار

(کبیر صاحب)

لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب اردو بازار دہلی

پبلشرز

لاجپت رائے اینڈ سنز تاجرانِ کتب

اردو بازار دہلی

قیمت دو روپے ۲۵ پیسے　　　　جون ۱۹۷۱ء　　　　بار ششم

اسی مصنف کی دیگر کتابیں

روحانی اشارے ۱-۵۰

کامیابی کی کنجی ۱-۰۰

میراں بائی ۱-۲۵

کبیر بھجناولی (مؤلفہ) کبیر صاحب کا کلام ۳-۰۰

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	دل و دماغ کی تربیت	۷
۲	کام کرنے سے دل کی دبی ہوئی قوتیں ابھرتی ہیں۔	۸
۳	شائستگی و اخلاق	۹
۴	دل و دماغ	۱۰
۵	ایک بڈھا جاپانی کاریگر	۱۱
۶	مرد عورت کے لئے چند مفید نصیحتیں	۱۲
۷	ترغیب کے سامان	۱۲
۸	ایک سچی صلاح	۱۳
۹	ایک استعارہ	۱۴
۱۰	موکش اور بندھن	۱۶
۱۱	امانت میں خیانت کیوں ہو	۱۷
۱۲	اصلی مرض اور اس کا علاج	۱۹
۱۳	تحمل بڑا ہے	۲۰
۱۴	ایک قصہ	۲۱
۱۵	عمل	۲۲
۱۶	علم معرفت کی تعلیم	۲۳
۱۷	سادھن کا شغل	۲۴
۱۸	سچائی کے پیار کی پہچان	۲۴
۱۹	ہمارے گھر	۲۵
۲۰	گھر کی برکتیں	۲۶
۲۱	قوم اور قوم کے افراد کی نسبت	۲۷
۲۲	ہندوؤں کے گھر اور ان کے لئے سبق	۲۷
۲۳	بے غرضانہ محبت	۲۸
۲۴	بھلا کر بھلا ہوگا	۲۹
۲۵	بوڑھوں کا دھیان	۲۹
۲۶	محبت ہر مرض کا علاج ہے	۳۰
۲۷	خودغرضی	۳۱
۲۸	ایشور کی ہستی کا اقرار	۳۲
۲۹	لوگ کیوں ناشکے بنتے ہیں	۳۳
۳۰	اپنے اندر دیکھو	۳۵
۳۱	عالم صغیر و عالم کبیر	۳۶
۳۲	چار آشرم	۳۶
۳۳	نیک خواہشیں	۳۷
۳۴	خیالات	۳۸
۳۵	کمزوریوں کا مقابلہ	۴۰
۳۶	بڈھا اور محبت	۴۰
۳۷	بڑھاپا	۴۱
۳۸	مفتی و قاضی	۴۱
۳۹	کوچ	۴۲
۴۰	ہنسنا	۴۳
۴۱	سمجھ کی کمی	۴۴
۴۲	زندگی کا مقصد	۴۵
۴۳	دھرم اور فرض	۴۶
۴۴	خیال	۴۷
۴۵	سمادھی	۴۹
۴۶	زبردستی کا قانون (۴۹) رحم کا قانون	۴۹
۴۷	خاموشی کا الہام	۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۸	اپنے اندر دیکھنا	۵۲	۷۴	ہر کسے ناصح برائے دیگراں	۷۹
۴۹	اپنی عرض	۵۳	۷۵	میرا تیرا اپنا	۸۰
۵۰	مُردہ کو زندہ کرنا	۵۴	۷۶	سچا انسان موکش اور بندھن	۸۲
۵۱	چٹان کے وار پار جانے والے تیر	۵۵	۷۷	میرا مذہب میرا اُصول	۸۳
۵۲	فرض کے ساتھ پریم کو بھی شامل کرو	۵۸	۷۸	کیوں کیسے پکڑے گئے	۸۴
۵۳	نور کی زندگی	۶۰	۷۹	گورو گوبند سنگھ جی کی تعلیم	۸۵
۵۴	پریم	۶۲	۸۰	آتما کا اچنبھا	۸۶
۵۵	سادھو کی پرارتھنا	۶۳	۸۱	قید و آزادی کا ایک سبق	۸۶
۵۶	تمیز کا درجہ	۶۴	۸۲	نکتہ چین	۸۸
۵۷	دُنیا	۶۵	۸۳	زبان اور اصلیت	۸۸
۵۸	نفرت اور محبت	۶۵	۸۴	رُوحانی اصلاح	۸۹
۵۹	جھوٹ	۶۶	۸۵	سفید خیالات	۹۰
۶۰	حقیقت	۶۷	۸۶	سچی نماز	۹۴
۶۱	گیان کا درجہ	۶۸	۸۷	اصلی نماز	۹۵
۶۲	معراج	۶۸	۸۸	عشق حقیقی	۹۶
۶۳	اصلیت	۶۸	۸۹	نیک دلی کی عادت	۹۷
۶۴	غصہ	۶۹	۹۰	ارادہ، خوبصورتی، نکتہ گیر	۹۸
۶۵	پیاری موت آجا	۶۹	۹۱	تکیہ گدا فقیر	۹۹
۶۶	موت خوف کی حالت میں نہیں ہے	۷۰	۹۲	کتے کی دُم	۱۰۱
۶۷	تندرستی کے احکام	۷۱	۹۳	کار دُنیا کسے تمام نکرد	۱۰۳
۶۸	ہر سرے ہر سودائے	۷۲	۹۴	تقلید اور نقل	۱۰۵
۶۹	دنیا کے معلم	۷۲	۹۵	مذہب اور مذہب کی سچائی	۱۰۸
۷۰	موقع و محل	۷۳	۹۶	دھرم ادھرم نیکی اور بدی	۱۰۹
۷۱	خطرناک آدمی	۷۵	۹۷	وہ نادان ہے	۱۱۱
۷۲	سکھ سردار کیوں کہلاتے ہیں	۷۵	۹۸	سچا علم	۱۱۲
۷۳	مقدس سایہ	۷۷	۹۹	نیکی ہی دراصل خوشی ہے۔	۱۱۲

۱

دل و دماغ کی تربیت

انسانی جسم میں دل و دماغ اعضائے رئیسہ کہلاتے ہیں، اور انسانی زندگی میں دل و دماغ کی تربیت سے بہتر اور خوشتر کوئی کام نہیں ہے یہ دنیا سچ مچ ایک قسم کی تعلیم گاہ ہے بعض اس کو مزرعۃ الاخرۃ کہتے ہیں، بعض اس کو کریم کشیتر کہتے ہیں، اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ اس کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ اس جگہ ہم کو قدم قدم پر اپنی درستگی و تربیت کا موقعہ حاصل ہے۔

بہترین طریقہ دل و دماغ کی تربیت کا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ مصروف رہے۔ مصروفیت سے وہ نہ صرف مضبوط اور توانا رہے گا بلکہ اپنی آئندہ تندرستی قائم رکھنے میں برابر کامیاب ہوگا۔ اگر اس سے کام نہ لیا جاوے تو وہ قبل از وقت ناکارہ بن جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں اس پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ بے شغلی کا مضر نتیجہ یہاں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ بیکاری کی وجہ سے انسان اپنی اخلاقی حالت کو بھی قائم نہیں رکھ سکتا، اور ایک زمانہ ایسا آجاتا ہے کہ پھر وہ انسانیت کے رتبہ سے گر جاتا ہے۔

ہم میں اوسط درجہ کے آدمیوں کو مجبوراً کام کرنا پڑتا ہے، لیکن ایسے گھرانوں میں جو رئیس اور دولت مند کہلاتے ہیں، کام کرنا معیوب اور شرم کی بات سمجھی جاتی ہے اس سے زیادہ افسوسناک اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ قدرت کا ذرہ ذرہ حرکت میں ہے۔ اس قدرت کا حکم ہے کہ ہر کس و ناکس کام میں لگا رہے، اور اس لئے ہم کو، تم کو اور ہر ایک کو خواہ ہم سوسائٹی کے کسی درجہ میں قائم کئے گئے ہوں، کام کرتے رہنے

کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس میں ذرا سی غفلت ہوئی، تو پھر دل و دماغ کو لطیف بنانے کا موقعہ ہاتھ نہ آئے گا اور نہ ہم اچھی طرح پرتما کی سرشٹی کی غرض اور اپنی زندگی کا مقصد سمجھ سکیں گے۔ ایک فارسی کے شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔ ؎

ابر۔ باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری
این ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

(۲)

کام کرنے سے دل کی دبی ہوئی قوتیں ابھرتی ہیں

چاہے کام کسی قسم کا ہو، اپنی طبیعت کو اس کی طرف لگاؤ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام ادنیٰ قسم کا ہے، یہ اعلیٰ قسم کا ہے، وہ غلطی پر ہیں۔ قدرت میں کہیں اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی درجہ نہیں قائم کیا گیا۔ ہر کام کو ہر شخص کو اپنی اپنی جگہ پر اہمیت ہے۔ اور جیسے کسی انجن (کل) کے تمام پرزوں کو متحرک رکھنے کی ضرورت ہے، ویسے ہی دنیا کی تمام مخلوق کو سمجھنا چاہیئے۔ پھر اس کام کی تہہ میں ایک بات اور بھی ہے اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیں کہ نیچر میں امتیاز کے درجہ موجود ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ کام کرنے والے آدمی کبھی کسی ایک حالت میں نہیں رکھے جا سکتے۔ کام کرتے کرتے ان کی عقل و تمیز کی قوت کو ترقی کا موقعہ ملتا ہے اور جہاں نیچر نے ان کو بہتر کام کے لئے موزوں دیکھا اسی وقت ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں خود بخود ترقی دی جاتی ہے۔ صرف کام میں اپنی قابلیت دکھانے اور اس کی مثالی کرنے کی دیر ہے۔ تم کبھی کسی آدمی کو جو سچ سچ دل لگا کر کام کر رہا ہو۔ ایک ہی جگہ میں نہ پاؤ گے۔ انسان کی ترقی اس کے اپنے ہاتھ میں

ہے۔ اگر وہ دل سے کام کرتا ہے تو اُس کی چھپی ہوئی طاقتیں اُبھر کر اُس کو چند روز میں کچھ کا کچھ بنا دے گی۔ اور اگر یہ وصف نہیں ہے، تو وہ برابر پاؤں کے تلے روندا جائے گا۔ اور جب تک پھر کام کرنے کی حیثیت و لیاقت نہ پیدا کر لے گا، اُونچی حالت پر نہ آئے گا۔

۳

شائستگی اور اخلاق

جن میں شائستگی اور اخلاق ہے، وہ کسی جگہ بھی رہ کر ہر دلعزیز بن جاتے ہیں اور جو اس وصف سے خالی ہیں، وہ دنیا کی عزت سے محروم رہتے ہیں۔ جن میں یہ وصف ہے وہ اپنے ملنے والوں کو نہ صرف خوش کر دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی خوش اطواری و خوش سلیقی دلوں میں جگہ پیدا کرتی ہے۔ تہذیب و اخلاق شرافت کے اعلےٰ نشان ہیں جن میں شائستگی ہے، وہ فضول دعوے نہیں کرتے، بلکہ اپنے طور طریقوں سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ اوروں پر ترجیح پانے کے قابل ہیں۔ ایک پارسی شاعر کا کلام ہے ؎

ادب تاجے ست از فضلِ الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

"با ادب خوش نصیب و بے ادب بد نصیب"۔ یہ ایک عام مسئلہ ہے۔ اور اس کے سچے ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔

گو خوش اخلاق کہلانے کے لئے بہت سے آدمی خوشامد اور تملق کی عادت سیکھتے ہیں۔ مگر ان کی وجہ سے کبھی اخلاق کی سند نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہ تو ان بیہودہ طبیعتوں کے ڈھنگ ہیں۔ جن کو ایشور کی طرف سے اصلی لیاقت نہیں

عطا ہوئی، جو دل کا پاک ہے، جس کا مزاج نیک ہے۔ جس کو تھوڑی بہت تعلیم ملی ہے اور وہ اس کی برکت کو جانتا ہے۔ جس میں اُدب، تمیز ہے اور جو سیلف ریسپکٹ کے اصول کو سمجھتا ہے۔ نہ صرف وہی خوش اخلاق بن سکتا ہے۔ اُس کو تم کسی سے بھی لے جاکر ملاؤ، تم کو شرمندہ نہ ہونا پڑے گا۔ اور نہ وہ کبھی کسی طرح کے برتاؤ میں حدِّ اعتدال سے تجاوز کرے گا۔

۴

دل و دماغ

ایک دولت مند آدمی ہاتھ میں کتاب لئے پڑھ رہا تھا۔ پھٹے پُرانے چیتھڑے لپیٹے ہوئے کوئی غریب عورت اس کے پاس آئی "مہاراج! میں مالن ہوں۔ یا تو یہ پھول مول لے لیجئے یا کچھ مجھ کو بطور خیرات دیجئے۔"

جواب مِلا "میرے پاس اِس وقت کچھ نہیں ہے۔"

مالن نے کہا "میں بیوہ ہوں۔ تین غریب لڑکے کل سے بھوکے ہیں۔ کچھ دے دیجئے۔ جان و مال کو دُعا دوں گی۔"

"میں نے ایک دفعہ کہہ دیا، تو نہیں سُنتی۔ جا بھاگ جا۔ یہاں کچھ نہ ملے گا۔"

ایک پڑھے لکھّے صاحب دماغ کے الفاظ تھے۔ غریب عورت وہاں سے چلی گئی۔ ابھی وہ بہت دُور نہ گئی ہوگی، کہ دولتمند شخص کا بھولا و کمسن لڑکا دوڑتا ہوا آیا "پتا جی! کیا اچھا ہوتا، اس وقت آپ کے پاس پیسے موجود ہوتے، اور یہ غریب نا اُمید ہوکر نہ جاتی۔ میرے لئے کھانا تیار ہو رہا ہے، اس کے بچے بھوکے مرینگے کیا مجھ کو بھوکا دیکھ کر آپ کو دُکھ نہ ہوگا؟"

بچے کی باتوں نے باپ کے دل پر کیا۔ اُس نے ایک چونی نکال کر اس کو

دی۔ اور وہ تتلاتی ہوئی زبان میں شور مچاتا ہوا بیوہ کے پاس دوڑ آگیا۔" لے، اب تو تیرے لڑکے بھوکے نہ مریں گے۔"

چند لمحوں کے بعد وہ واپس آکر کہنے لگا "پتا جی! بڈھیا آپ کو اور مجھ کو آشیرباد دیتی تھی۔ وہ واپس آرہی تھی۔ میں نے منع کیا۔ چلتے وقت اُس نے کہا میرے بچوں کے لئے تین دن کا کھانا مل گیا۔ بھگوان تم کو سُکھی رکھیں۔"

ان باتوں کو سُن کر دولت مند آدمی کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

دیہہ دھرے کا گن یہی، دیہہ دیہہ کچھ دیہہ
کہیں کبیرا۔ دیہہ تو جب لگ تیری دیہہ

۵

ایک بڈھا جاپانی کاریگر

چند سال گزرے، چند یورپین سیّاح جاپان میں سیر کر رہے تھے۔ ان کا گزر ایک کاریگر کی دوکان پر ہوا۔ جو ہاتھی دانت کا کام کرتا تھا۔ مسافروں نے ایک ہاتھی دانت کو پسند کیا۔ جس پر بڑی نفاست سے کام کیا ہوا تھا۔ سیّاحوں نے قیمت پُوچھی۔ ایک ستائیس روپیہ دام بتایا گیا۔ قیمت واجبی تھی۔ اور ایک شخص نے خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر قبل اس کے کہ مال خریدار کے ہاتھ میں جائے۔ کاریگر نے اس کو بغور ملاحظہ کیا۔ اور نقش میں کچھ نقص پا کر سیّاح کو دکھلایا۔ اُس نے کہا "کچھ مضائقہ نہیں۔ اس سے اس کی قیمت میں فرق نہیں آتا۔ اور پھر سوائے تمہاری مشتاق آنکھوں کے کسی اور میں اتنی تمیز کہاں سے آسکتی ہے کہ اس نقص کا پتہ پاسکے۔" کاریگر نے کہا "قیمت کا مضائقہ نہیں، لیکن اس دُکان سے کبھی کسی قسم کا مال نہیں دیا جا سکتا جس میں ذرہ بھی نقص ہو۔ میں

اب یہ ہاتھی دانت تمہارے ہاتھ نہ بیچوں گا۔" کیا ہمارے ملک میں بھی اس اُصول کے کاریگر ہیں۔

اس واقعہ پر حاشیہ چڑھانا فضول ہے۔ ناظرین خود نتیجہ اخذ کریں:۔

(۶)

مرد و عورت کیلئے چند مفید نصیحتیں

کبھی ایک دوسرے پر غصہ نہ ہونا چاہیئے۔
کبھی ایک کو دوسرے کے بھول چوک پر ملامت نہ کرنی چاہیئے۔
کبھی عورت کو کسی بات کے لئے دوبارہ درخواست کرنے کا موقعہ نہ دو۔
کبھی اگلی محبّت نہ بھولو۔
کبھی پیار و محبّت ظاہر کئے بغیر نہ ملا کرو۔
کبھی ایک دوسرے کی شکایت نہ کرو، چاہے ساری دُنیا کو بھول جاؤ۔
مگر ایک دوسرے کو نہ بھولو۔
غصّہ یا رنج کو موقعہ نہ دو۔ کہ تمہارے دلوں کو صدمہ پہنچا دیں۔
کبھی زور و شور کے ساتھ بات نہ کرو۔
اگر کسی سے غلطی ہو جائے، تو فوراً ایک دوسرے سے معافی مانگ لو۔
جو اس اُصول پر کام کریں گے۔ ان کا سُورگ دھام نبا رہے گا:۔

(۷)

ترغیب کے سامان

اگر گناہ سے بچنے کا خیال ہے، تو ایسے اسباب سے ہمیشہ بچتے رہو۔

جو تمہاری عادتوں کو گناہ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ جو ایسی کوشش نہیں کرتا اس کو ایشور کی طرف سے مدد بھی نہیں ملتی۔ چنگاری کو بجھا دو۔ شعلوں کے بھڑکنے کا وقت ہی نہیں آئے گا۔ جس کو غصہ ہی نہیں آتا۔ وہ کبھی کشت و خون نہ کرے گا۔ اور جو خواہش کو پیدا ہوتے ہی مار دیتا ہے۔ وہ کیوں شہوت وغیرہ مذموم باتوں میں پھنسنے لگا۔ جو قسم تک کھانے سے محترز رہتا ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہ بولے گا۔ اور جو لالچ کے جال کو پہلے سے توڑ دیتا ہے، اُس کو کون فریب دینے لگا؟

(۸)

ایک سچی صلاح

جس میں قوت ارادی اور سوچنے کی طاقت ہے، اور اُن کے ہوتے ہوئے اگر وہ غفلت کرتا ہے تو اس کو اس غفلت کا جواب دہ سمجھنا چاہیئے۔ ہر وقت روشنی کے ظہور کے ساتھ نئے خطرات رہتے ہیں۔ اگر اس میں اچھی سمجھ بوجھ ہے۔ تو اس روشنی کو جذب کرنے۔ اس کے حاصل کرنے اس کے فرحت اور روح کو نئے نئے الہام کے واسطے تیار کرنے کی قابلیت پیدا کرنی چاہیئے۔ روشنی کے مقابلہ میں ماں باپ، بھائی بہن، بیوی اور لڑکے تک نفرت کرنا بُرا نہیں ہے۔ لیکن روشنی سے رُوگردانی کرنا سخت غلطی ہے۔ گو دُنیا کے تمام سازو سامان پاس موجود ہوں۔ ان سب سے مُنہ موڑ لو۔ بے وفا بن جاؤ۔ کسی کے کہنے سُننے کی پرواہ نہ کرو۔ مگر روشنی کو قبول کر لو۔ بہتر ہے۔ روشنی کی وجہ سے لوگ تم کو لعنت ملامت کریں۔ تم سے ناراض ہوں۔ تم کو وہ نادان و بے حیا کہیں۔ یہ سب منظور کر لو۔ مگر روشنی کا ساتھ دو۔ (رالف۔ والڈو ایمرسن)

ایک کی بہتری کے خیال سے گاؤں کو چھوڑ دو۔ گاؤں کی بھلائی کی فکر میں

شہر کو چھوڑ دو۔ شہر کی بہتری کی نظر سے ملک کو چھوڑ دو۔ لیکن اگر اپنی آتما کی بہتری کے لئے گاؤں، شہر، ملک اور دنیا کے چھوڑنے کی ضرورت محسوس ہو۔ تو سب کو ترک کرو۔ اور اپنے آتما کو بچا لو ؂

(۹)

ایک اِستعارہ

مہابھارت کے اِستری پرب میں دھرت راشٹر کو تعلیم دیتے وقت وِدور اس طرح کہتا ہے "مہاراج! ایک لق ودق بیابان کے درمیان ایک گھنا جنگل ہے۔ جس میں ہر قسم کے خوفناک وہیبت وحشی درندے شکار کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ انسان اس جنگل میں بھٹکتا ہوا خواہشمند ہے کہ اس کو کوئی سلامتی کی جگہ مل جائے۔ جہاں بھوکے وخونخوار جانوروں سے نجات حاصل ہو۔ مگر کوئی ایسی جگہ نہیں ملتی۔ جدھر وہ رُخ کرتا ہے۔ اُسی طرف وہ شیر، بھیڑیئے، چیتے، ریچھ اس کے ہڑپنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جدھر جاتا ہے وہاں ہی ڈراونی صورت کے اژدہا، سانپ اور زہریلے بچھو کاٹنے کو موجود رہتے ہیں۔ بیچارے کو کہیں ٹھکانا نہیں۔ آخر کار ایک کریہہ صورت عورت دونو ہاتھ پھیلائے ہوئے اُس سے ہمکنار ہونے کو جھپٹتی ہے۔ انسان مجبور ہے بچ نہیں سکتا۔ اُس کے گرفت میں آجاتا ہے اور پھر اُس کی پریشانیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، شیر، درندے عقربیت و اژدہا سب نسبتاً اس سے اچھے تھے، وہ بھاگتا جاتا ہے مگر کہاں بھاگ کر جا سکتا ہے۔ عورت اس کے گلے کا ہار بن جاتی ہے۔ اور اس زور سے چمٹتی ہے کہ انسان کو اس کے پنجہ سے رہائی پانا امر محال ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر وہ ایک عمیق غار میں منہ کے بل گر پڑتا ہے

جس میں کٹیلے و خادار جھاڑیاں بھری ہیں۔ سر نیچے پاؤں اُوپر، آخر ایک ٹہنی ہاتھ آ جاتی ہے، اور اس کو پکڑ کر وہ لٹک رہتا ہے۔ غار کے دہانہ پر ایک عجیب و غریب شکل کا ہاتھی کھڑا ہے۔ جس کے دیکھنے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے چھ مُنہ اور بارہ ٹانگیں ہیں۔ اور اس تاک میں لگا ہے کہ آدمی کو چیر کر دو کر دے۔ غار کے اندر منہ کھولے ہوئے ایک زہریلا کالا ناگ ہے اور چاہتا ہے۔ انسان اس تک پہنچ جائے۔ اور وہ اس کو لقمۂ تر کی طرح چبا جائے۔ خار دار جھاڑیوں میں شہد کا چھتّہ ہے۔ جس کے ارد گرد مکھیاں بھٹک رہی ہیں۔ اس چھتّے سے کبھی کبھی دو چار بوندیں ٹپک کر انسان کے منہ میں جاتی ہیں۔ جن کو چاٹ کر نہ صرف اُس کو سیری ہی نہیں ہوتی، بلکہ اور بھی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور باوجودیکہ وہ تمام بلّیات کا شکار ہے۔ مگر شہد کی بوند کی خواہش میں مضطرب ہے۔ سفید و سیاہ رنگ کے دو چوہے اس جھاڑی کی جڑ کو کتر رہے ہیں۔ مگر انسان اتنا غافل ہے کہ شہد کی بُوند کے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

راجن! یہ استعارہ ہے۔ لق و دق بیابان دنیا ہے۔ گھنا جنگل انسان کی زندگی ہے۔ درندے، جانور طرح طرح کی بیماریاں ہیں۔ بدشکل عورت بڑھاپا ہے۔ عمیق غار یہ انسانی جسم ہے۔ اندر کا سانپ کال ہے۔ جھاڑیاں جن میں وہ اُلجھا ہوا ہے۔ خواہشوں و باسناؤں کا گورکھ دھندا ہے۔ ہاتھی برس ہے۔ جس کے چھ منہ چھ موسم اور بارہ ٹانگیں بارہ مہینے ہیں۔ سفید و سیاہ رنگ کے چوہے رات اور دن ہیں۔ جو انسان کی زندگی کے درخت کو کترتے رہتے ہیں۔ شہد کا چھتّا خواہشوں کے پورے ہونے سے مُراد ہے

یہ استعارہ شرح کا محتاج نہیں ہے ؞

۱۰

موکش اور بندھن

کہاں کا موکش، اور کہاں کا بندھن۔ اگر ہم سچ مچ آزاد ہیں تو ہم کو کون غلام بنا سکتا ہے۔ اگر ہم خود ہی غلام بنے ہیں، تو دوسرا ہم کو آزاد بھی نہیں کر سکتا ہماری حیثیت دنیا میں کیا ہے۔ اس کے بتلانے کی ضرورت ہے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں ؎

کبیر نر بندھن بندہ رہا بندہ نر بندھن ہوئے
کرم کرے کرتا نہیں، داس کہاوے سوئے

(ترجمہ) کبیر آزاد ہو کر پھر بھی بندھن میں ہے۔ اور بندھن میں رہ کر آزاد ہے۔ کرم کرنے والا نہیں ہے، داس ایسے ہی کو کہتے ہیں۔

بندھن میں آزاد اور آزادی میں بندھا ہوا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ نا آشنا کانوں کے لئے یہ ایک لاینحل معمہ ہے۔ تمثیل و مثال سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

ایک دولت مند شخص نے اپنے بچّہ کی پرورش کے لئے کسی دایہ کو مقرر کیا۔ بچہ خوبصورت اور سُورگ لوک کے دیوتاؤں کے لڑکوں کی صورت تھا۔ دایہ نے اس کو محبت کی گود میں اٹھا لیا۔ بڑے پیار سے پالنے لگی۔ وہ اس کی آنکھوں کا تارا بن گیا، اور ایک دم کے لئے اس سے علیٰحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ ماں کو یہ حالت دیکھ کر رشک آیا۔ "بیٹا میرا اور دایہ سے اتنا پیار کرے، میں اس کو برداشت نہیں کر سکتی"۔ اُس نے دایہ سے کہا۔ تو نے میرے بیٹے کو اپنا کر لیا۔ چل یہاں سے دُور دفع ہو"۔ دایہ مسکراتی ہوئی

اُٹھی۔ اور اپنا اسباب لے کر بلا کسی فکر و تردّد کے گھر کا راستہ لیا۔ اب آپ نے سمجھا؟

لڑکا دایہ کا نہیں تھا وہ یہ جانتی تھی، اور جانتی ہوئی اپنے کو اس کی محبت کے پھندے میں پھنسا رکھا تھا۔ وہ آزاد تھی۔ مگر آزاد ہوتی ہوئی بندھی تھی۔ مگر جب اُس کو علیحدگی کا حکم دیا گیا، وہ بُندھن سے جُدا ہو کر جھٹ آزاد ہو گئی۔ یہ نر بندھن میں بُندہ اور بُندھ میں نر بندھن کا مطلب ہے اور اگر ہم اپنے دنیاوی کاروبار میں اسی سپرٹ سے کام لیتے ہیں تو ہم کو بھی بندھن اور موکش کے جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

۱۱

امانت میں خیانت کیوں ہو؟

لڑکے بالے۔ مال اسباب پرماتما کے ہیں۔ یہ سب ہم کو امانت کی طرح ملے ہیں خبردار اپنی جواب دہی وا اپنی ذمّہ داری سے کبھی ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو۔ ان کی پرداخت وحفاظت ضرور کرو۔ مگر اپنے اپنے کے مرض سے دُور رہو۔ پھر کبیر صاحب کی آواز کان میں آتی ہے۔ ؎

میرا مجھ کو کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تور
تیرا تجھ کو سونپتے۔ کیا لاگے گا مور

(ترجمہ) میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ تیرا ہے۔ تیری امانت کو سونپتے ہوئے مجھ کو کیا لگتا ہے؟

مگر پرماتما کہتے ہیں۔ سُن! ؎

تیرا تجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو مور ؛ میرا مجھ کو سونپتے جی ڈرپے گا تور

(ترجمہ)۔ (یہ سچ ہے) تیرا تجھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے، وہ میرا ہے مگر پھر بھی میری امانت سپرد کرتے ہوئے تیرا جی ڈرے گا۔ یہ نپٹ سنساریوں کا حال ہے۔

لیکن گورو کی دیا سے جن کے دل کی آنکھیں کھل گئی ہیں، ان کی کیا حالت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے :۔

دکھ سکھ ایک سمان کر، ہرش شوک نہیں بیاپ
پُر اُپکاری۔ نہ کامنا۔ اِدیچھے چھوہ نہ تاپ

(ترجمہ) دکھ سکھ کی حیثیت ایک ہو گئی۔ نہ رنج ہے نہ خوشی ہے۔ دوسروں کے لئے کام کرتے ہیں۔ اپنے لئے خواہش نہیں۔ ایسی حالت میں نہ کسی کی محبت ہے۔ نہ کسی طرح کا دکھ ہے"

کرشن بھگوان فرماتے ہیں "جس کی بدھی کو کہیں بندھن نہیں ہے۔ جس نے آتما کو اپنا کر لیا، خواہشوں کی طرف سے مُردہ ہے وہ کرم کا تیاگ کر کے موکش کی مکمل حالت کو واصل ہوتا ہے۔

نانک صاحب کا قول ہے :۔

جیسے جل میں کنول نرالم۔ مُرغابی نشا نئے
سورت شبد بھو ساگر تریے نانک نام بکھانئے

(ترجمہ) "جیسے جل میں رہ کر کنول اس سے الگ ہے اور جس طرح مرغابی کے پر و بال پانی سے نم نہیں ہوتے۔ ویسے ہی سورت شبد کے ذریعہ بھو ساگر پار کرنا چاہئے اور نام کا جاپ ایسوں ہی کے لئے ہے"!

لیکن یہ حالت کیسے میسر آ سکتی ہے؟ کیا تدبیر ہے جس سے یہ رنگ گاڑھا ہو جائے اور کبھی پھیکا نہ ہو؟ اس سوال کے جواب میں سنت اس طرح فرماتے ہیں۔

ٹوٹے بندھن تاس کے ہوا سادھو سنگ
جو راتے رنگ ایک کے نانک گوڑھا رنگ۔

(ترجمہ) جنہوں نے سادھو کا ست سنگ کیا۔ ان کے بندھن ٹوٹ گئے۔ جو ایک مالک کے رنگ میں رنگے ہیں۔ نانک اُن کا رنگ گاڑھا ہے :۔

۱۲

اصلی مرض اور اُس کا علاج

ہم آخر کیوں بندھن میں ہیں ؟ کیسے بندھن میں ہیں ؟ کیسے بندھن میں آئے ؟ اور کیسے چھوٹ سکتے ہیں۔ اُن کا جواب آسان ہے۔ مگر سمجھنا مشکل ہے۔ ہم کو اگیان کی وجہ سے بندھن ہے۔ ست کو است و است کو ست جڑ کو چیتن، چیتن کو جڑ۔ نِت کو انت اور انت کو نت جاننا یہ اگیان ہے اسی اگیان کے بس میں آکر ہم بندھ جاتے ہیں۔ اس اگیان کے بس میں ہم کب آئے۔ اور کیسے آئے۔ ایک ایسا مشکل سوال ہے کہ جس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ کون جانے۔ ہم کب سے اگیان کے پنجہ میں آسان شکار بنے ہیں۔ یہ سچ ہے، ہمارے من کے اندر ابتدا سے لے کر آج تک۔ تمام واقعات کی تصویریں سنسکار رُوپ سے موجود ہیں۔ ان کا پتہ لینے کے لئے ہم کو اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کا دل بلکہ قدرت کا ذرہ ذرہ اپنی تواریخ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کی شکل و صورت خود ایک قسم کی تواریخ ہے۔ مگر ایسے لوگ کم ہیں، جو اس کی ورق گردانی کر سکیں۔ اور اصلیت کا پتہ معلوم کر لیں۔ یہ صرف گیانوں کے لئے ممکن ہے۔ تاہم اپنے معلومات کو وسیع کر کے دُنیا کے اُصول کو سمجھ کر من کی تربیت دتادیب

کر سکے ہم بہت کچھ خود بخود جان سکتے ہیں اور بتدریج ظاہری علم سے واصل ہو کر گیان کے محل میں باریابی کا موقع حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ہم کو یہ گیان مل گیا۔ پھر بندھن کی زنجیر آپ ہی آپ ٹوٹ جاتی ہے اور قیدی قید خانہ کے روک ٹوک سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ در اصل گیان ہی ایک ایسی چیز ہے جو موکش کا ادھکاری بناتی ہے۔

(۱۳)

بخل بُرا ہے

وہ شخص کبھی کسی بزرگ کے درجہ کو نہیں حاصل کر سکتا جس نے یہ نہیں سمجھ لیا کہ اپنی زندگی کسی حد تک اُس کی قوم، ملک اور کل دُنیا کی زندگی ہے اور اس کو کسی نہ کسی صورت میں ان سب کو ایک قسم کا فرض ادا کرنا ہے۔ فرض کا لفظ کریہہ ہے۔ شاید یہ غلط فہمی کا بھی باعث ہو۔ اس لئے اس خیال کو اس طرح ظاہر کرنا شاید زیادہ موزوں نہ ہوگا۔ کہ جو کچھ اس کو ایشور کی طرف سے ملا ہے وہ بنی نوع کو تقسیم کرتا رہے۔ اگر وہ دولت مند ہے اپنی دولت سے محتاج و غریبوں کو فائدہ پہنچا دے۔ اگر اس میں دماغی طاقت ہے تو وہ اس طاقت کو اوروں کے ترقی دینے میں صرف کرے۔ اگر وہ اہل خیال ہے تو دُنیا کو اپنے اعلیٰ خیالات کا حصہ بخش جائے۔ غرضیکہ ہر ایک شخص کو جو نیک نامی اور شہرت کا وارث بنا چاہتا ہے، اُس کے لئے یہ لازمی بات ہے کہ اپنے بھائیوں کا اپنے شہر والوں کا خیال رکھے۔

یہ اعلےٰ قسم کی عبادت ہے، اور اس سے اُسی طرح روحانیت کی ترقی ہوتی ہے۔ جس طرح یوگیوں کو یوگ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کو یاد

رکھو اگر تم دل کے تنگ ہو، اگر بخل کرتے ہو، اگر خود غرض بنتے ہو، تو نہ تو تم اصلیت سے ہمکنار ہو گے۔ نہ تم میں بڑائی آئے گی نہ لافانیت اور موکش کے ادھکاری بن سکو گے ⁂

(۱۷)

ایک قصہ

بلخ کے بادشاہ کی نسبت ایک مشہور قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک دن رات کے وقت یہ شخص بالا خانہ پر سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ایشور کے فرشتے اُس کے سرہانے کھڑے ہوئے بات چیت کر رہے ہیں۔ اس کو حیرت ہوئی سر اٹھا کر پوچھا "بھائی! تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟ اور کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا۔ ہم ایشور کے فرشتے ہیں۔ دنیا میں ایشور کے پیاروں کی فہرست بنانے آئے ہیں، وہ اب تک مکمل نہیں ہوئی۔ اُسی کی نسبت بات چیت کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے پوچھا "بھلا دیکھو تو سہی۔ اس فہرست میں میرا بھی کہیں نام آیا ہے یا نہیں؟ فرشتوں نے فہرست پیش کی۔ بادشاہ کا نام کہیں نہ نکلا۔ بادشاہ کو سخت رنج ہوا۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو مالک کا پیارا سمجھ رہا تھا۔ آب دیدہ ہو کر اُن سے کہا "نیک بندو، جب تم ایشور کے حضور میں جاؤ۔ تو میری طرف سے یہ درخواست کرنا، گو مجھ میں ایشور کے پیارے کہلاتے کے اوصاف نہ ہوں۔ میں گنہگار اور بُرا آدمی ہوں، مگر اُس کی مخلوق کی خدمت کا دَم بھرتا ہوں۔ میری زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا جس میں آدمیوں کی بہتری کے وسائل عمل میں نہ لاتا ہوں۔ عبادت کرنے

میں اس مصروفیت کی وجہ سے مجھ سے قصور ہوتا ہے، اس لئے تم میرا نام ایشور کے بندوں کے خادموں میں درج ہونے کی سفارش کرنا۔"

فرشتے چلے گئے۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر آئے۔ بادشاہ ابھی سوچ رہا تھا۔ پوچھا "میری درخواست قبول ہوئی یا نہیں؟" فرشتوں نے مسکراتے ہوئے فہرست پیش کی۔ اور دیکھو اس میں بادشاہ کا نام جلی حرفوں میں ایشور کے پیاروں کی فہرست کی چوٹی پر لکھا تھا۔ جو لوگ ایشور کی مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں، ان کی عظمت کرتے ہیں، وہ مالک کے سچے پیارے بنتے ہیں۔

اس مضمون کو ایک فارسی زبان کے شاعر نے زوردار لفظوں میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

عبادت بہ از خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح سجادہ و دلق نیست

(۱۵)

عمل

مذہبی خیالات، مذہبی اصول، مذہبی قانون کی دراصل کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اگر ان کی پابندی کی وجہ سے انسان میں پاکیزگی، ایمانداری، علم اور بردباری کی عادات نہیں پیدا ہوتے۔ کتابوں کا مذہب کوئی مذہب نہیں ہے۔ سچا مذہب وہ ہے، جس کی تعلیم کا نور مذہب والے کے چال چلن میں نمایاں شکل میں نظر آوے۔ اگر کوئی خود برا ہے اور کہتا ہے کہ ایشور نیک ہے، تم اُن کی بات مت سنو کیونکہ اسکو ایشور کی نیکی محسوس کرنے کا موقعہ

قصص الحرب آدم
Bayan the chief

نہیں بِلا ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ ایشور پریم ہے۔ اور اس میں پریم کا شمہ بھی نہیں ہے۔ تو سمجھ لو۔ وہ فضول گو ہے۔ اُس نے ایشور کے پریم کو نہیں جانا ہے۔ جو جس کا تصوّر کرتا ہے، جس کی صحبت میں رہتا ہے جس کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ اُس میں آدمی کی خو بو اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ایشور کا بھجن کرنے والا۔ ایشور کے عشق کا دم بھرنے والا۔ ایشور کا راگ الاپنے والا، ایشور کی سچّی بھگتی سے خالی رہے۔ انسان جو سمجھتا ہے، وہی ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص میں اُس کے قول عملی شکل نہیں اختیار کرتے تو وہ مکّار اور دھوکہ باز ہے، اور اس کی قربت سے بچنا چاہیئے۔

۱۶

عِلم معرفت کی تعلیم

تعلیم ہر شخص کو ملنی چاہیے۔ انسان کا حق ہے کہ تعلیم پاوے۔ اور انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی لیاقت اور قابلیّت کے مطابق تعلیم دے۔ لیکن تعلیم کی خواہش سب سے پہلے تعلیم پانے والے کے دل میں پیدا ہونی چاہیئے۔ یہاں تعلیم سے مراد وہ تربیّت نہیں، جو بچّوں کو جبر کے ساتھ دی جاتی ہے۔ بلکہ مذہبی تعلیم، علم عرفان کی تعلیم، علم الرّوح کی تعلیم سے مُراد ہے۔ جو علم معرفت کے شائق ہیں۔ ان میں چند یقینی علامات ہوتے ہیں۔ جن کو تجربہ کار معلّم جانتے ہیں۔ یہ اس کے استحقاق وادھکار کی نشانیاں ہیں اور وہ اس سے فائدہ اُٹھاکر اس کے من کی تربیت کر کے ان ضروری نکتوں کا علم بخشتے ہیں۔ جو اس کی روحانی ترقی کے مددگار ہوتے ہیں۔ اگر کسی طالب علم میں

سرگرمی اور باریاب فہمی کے اوصاف نہ ہوں تو اس کو خواہ مخواہ تکلیف دینا خواہ اس کے خیال سے خود تکلیف اُٹھانا سخت غلطی ہوگی۔ وہ ابھی تک تعلیم کے قابل نہیں ہوا ہے۔ کچھ دن ابھی اور اس کو اُمیدواری میں رہنے کی ضرورت ہے۔ وقت آوے گا، جب اس میں قابلیتیں پیدا ہوں گی۔ اُس وقت تعلیم دینا مفید ثابت ہوگا۔ رُوحانی علم کا شوق خود طالب علم کے دل میں پیدا ہونا چاہیئے۔ جبر و سختی اس کام میں بے سُود ہوتی ہے۔ اور ایسے کو تعلیم دینا تعلیم کی ذلت کرنا ہے ۔

۱۷

سادھن یا شغل

جسم، دل و دماغ۔ ان سب میں جب لطافت آتی ہے۔ تب رُوح کے مسائل کے حل کی طرف طبیعت رجوع ہوتی ہے۔ روحانی باتوں کے سمجھنے کے لئے اچھے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ الیشور کا دشواش نہیں ہے۔ تو وہ الیشور کے متعلق مسائل میں پختہ رس نہیں ہوگا اس لئے پہلے اس سادھن کی ضرورت ہے، جو دماغ کو پرتما کی طرف مائل کریں۔ اور جب دل و دماغ دونوں کا میلان اس طرف ہوگا، وہ سچی تعلیم کا مستحق قرار پائے گا۔

۱۸

سچائی کے پیار کی پہچان

سچائی کے ثبوت کا یقینی ذریعہ یہ ہے کہ انسان اپنے اصول پر قربان

کرنے کو ہر وقت تیار ہے تو سمجھ لو۔ سچائی نے اُس پر تصرف پا لیا ہے (روپیہ پیسہ کا دینا سہل ہے۔ بات بنانا سہل ہے، اُلٹا سیدھا سمجھنا سہل ہے۔ لیکن کسی کام کے لئے توجہ دینا وقت دینا مشکل ہے۔ ہم اُس آدمی کا یقین کرنے کو تیار ہیں۔ جو اپنی روزانہ زندگی کا کچھ وقت اپنے اصول کے لئے ہر روز صرف کرتا ہے۔ اس میں سچائی کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوگی)

۱۹

ہمارے گھر

پرندے اپنے گھونسلوں میں کیسے خوشی کے ساتھ رہتے ہیں۔ درندے جب اپنے ماندوں میں آتے ہیں۔ کچھ کے کچھ بن جایا کرتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے، گھر اُس کے لئے فرضی بہشت کا خوشنما نمونہ ہے۔ اور اگر اس میں ہر چہار طرف پریم کے نظارے نظر آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سادہ مزاج فرشتے اپنے اصلی جذبات کے ساتھ کھیلتے کودتے ہوئے اِردگرد خوشی و مسرت کے تماشے دکھاتے ہیں تو پھر ہم کو اس گھر کے بہشت کہنے میں کیوں عار ہونا چاہیئے۔ لوگ کہتے ہیں گھر ہی اصلی تہذیب و تمدن کا نمونہ ہوتا ہے اور یہ سچ ہے لیکن یہ سچائی یہاں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہم گھر ہی کو تمیز و اخلاق، شائستگی و تہذیب کی تعلیم کا ادبستان بھی سمجھتے ہیں۔ یہاں ہی چال چلن بنتے ہیں۔ یہاں ہی ماں باپ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لڑکوں میں کس قسم کے اوصاف موجود ہیں۔ اور کس طرح کام کرنے سے اُن کی تکمیل ہو سکتی ہے ؛

۲۰

گھر کی برکتیں

جب تک ہم گھر میں ہیں۔ دُنیا کی آفات، و ترددات سے آزاد ہیں۔ صبح کے دس بجے گھر سے نکل کر دفتر گئے۔ خواہ دکان کے کام کاج میں مصروف ہوئے۔ کیا یہاں بھی ہم ویسے ہی رہتے ہیں، جیسے گھر میں تھے؟ یہاں آکر ہماری زندگی اور طرح کی بن جاتی ہے۔ جس طرح راجپوتانہ کے جنگلوں کا بھیل صبح گھر سے نکل کر شکار کی تلاش میں خطرات کا مقابلہ کرتا ہے۔ آوارہ گرد بن کر دھوپ کی سختی اور تکان کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اُسی طرح ہم کو بھی زندگی کی جواب دہیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ بھیل کے ساتھ ممکن ہے۔ ہمارے کام کاج کی مشابہت نہ ہو، مگر یہ ضرور ہے۔ ہم کو بھی اُسی طرح زندگی کے کاروبار بلکہ زندگی کے کارزار میں مستعدی اور سرگرمی دکھانی پڑتی ہے۔ شام ہوئی فرصت پاکر گھر میں آئے۔ عورت خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہے۔ ننھے ننھے بچے دامن سے لٹک رہے ہیں، اور اپنے اپنے روزنامچہ سُنانے کے لئے شوق سے توتلی بولی میں اناپ شناپ بک رہے ہیں۔ دُکان اور دفتر کا سین اس سے کتنا مختلف ہے۔ وہاں سختی ہے۔ یہاں ملائمت ہے۔ وہاں روپیہ پیسہ کا خیال ہر وقت فکر میں رکھتا تھا، یہاں بیوی اور بچوں کی پاک محبّت نے آب و ہوا کو اور رنگت دے رکھی ہے۔ یہ پاک اور فرصت کے گھنٹے غنیمت ہیں۔ ان سے زخموں کو مرہم، رنج کو تشفّی اور انتشار کو تسکین ملتی ہے۔ اور ان کی مدد سے ہم علوی زندگی کا خیال اپنے دل میں پیدا کر سکتے ہیں، جس کا مقصد شناسی ہے۔

(۲۱)

قوم اور قوم کے افراد کی نسبت

ہر ملک کے قومی اخلاق کی بنا، اُس کے گھروں میں ڈالی جاتی ہے۔ ہر ایک منفرد شخص کا خاندان اپنی قوم کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ خاندانی اخلاق ہی سے قومی اخلاق مُراد ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسے افراد ہوں گے، ویسے ہی وہ قوم بنے گی۔ اگر گھر میں غلامی ہے تو کبھی مت اُمید کرو کہ اس قوم میں آزادی ہوگی۔ اگر گھروں میں لوگ تربیت اور قاعدے کے ساتھ رہتے ہیں، تو اس قوم میں بھی خوش تربیتی اور باقاعدگی ہوگی۔ گھر میں اگر بچے ارگنزیشن کے اُصول کی تعلیم کرتے ہیں، تو قوم کے اندر بہ حیثیت مجموعی آرگنزیشن کی اچھی کی تعظیم کی جاوے گی۔ اگر گھروں میں سب باتیں مقصود ہیں تو قوم میں اُمید مت کرو۔ گھروں میں اگر جور وستم ہے، بے رحمی ہے، بدسلوکی ہے تو اس قوم کے انتظامات میں بھی یہی حالت نظر آئے گی۔ اور گھر میں انصاف ہے تو باہر بھی انصاف ہے۔ جن کے گھر درست نہیں، وہ ناحق پالیٹکس کی ڈینگ مارتے ہیں۔ افراد کی ترقی قومی ترقی بنتی ہے۔

(۲۲)

ہندوؤں کے گھر اور اُن کے لئے سبق!

ہندوؤں کے گھر میں جو خوبیاں ہیں، وہ اُن کی زندگی میں بھی جھلکتی رہتی ہیں۔ اسی طرح ان کے گھروں کی کمزوریاں قومی نقطۂ نگاہ سے قومی کمزوریاں بنی ہوئی ہیں۔ جو شخص ان کمزوریوں کے دُور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ وہ قوم کا

سچا مصلح دوست ہے۔ بہتر ہے ہر شخص اپنے گھر سے اصلاح کی ابتدا کر دے پہلے اپنے بچوں کے ساتھ محبت و خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے۔ قوم میں خود بخود محبت پیدا ہو گی۔ بھائی پر اعتبار کرنے لگ جاؤ، ساری قوم میں ایک دوسرے کا اعتبار ہونے لگے گا۔ عورتوں کے ساتھ انصاف مدنظر رہے۔ ہر جگہ انصاف ہونے لگے گا۔ گھروں میں آزادانہ خیالات کو داخل ہونے کا موقعہ دو۔ قوم میں آزاد خیالی آ جائے گی۔ اگر گھروں میں اصلاح نہیں کرتے، تو پلیٹ فارم کی تقریریں کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتیں۔

(۲۳)

بے غرضانہ محبّت

بے غرضانہ محبّت ہی کو نشکام بھگتی کہتے ہیں۔ اس قسم کی محبت زمینی نہیں، بلکہ آسمانی کہلاتی ہے۔ اس کا اثر نہایت پاک ہوتا ہے اور جاہیں ہم جائیں یا نہ جائیں۔ وہ اپنے اثر میں محیط بن جاتا ہے، جس کو پر اُپکار کہتے ہیں۔ وہ دراصل نشکام بھگتی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر پرتما کی بھگتی نہیں ہے تو پر اُپکار کا نام زبان سے نکالنا گناہ ہو گا۔ کیونکہ جب تک بھگتی نہیں آتی، انسان بے غرض نہیں ہوتا اور تب تک وہ پر اُپکار کی اصلیت کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ نشکام بھگت اس لفظ کو زبان سے نکالے بغیر دنیا کو فیض پہنچا رہا ہے جو اس کے رسُوخ کے دائرہ میں آ جاتے ہیں۔ متاثر ہو کر پاک اور پوتر بن جاتے ہیں۔ جن میں مالک کی بھگتی نہیں، ان کا کرم دھرم سب پھل ہے۔ اس سے اصلی فائدہ نہیں پہنچتا نہ سے

گور بن مالا پھیرتے، گور بن دیتے دان ؎ گور بن دان حرام ہے، جائے پوچھ دید پران

۲۴

بھلا کر، بھلا ہوگا

بے غرضانہ محبت اپنے ساتھ زندگی لاتی ہے، وہ ہر وقت بے خوفی کا دان دیا کرتی ہے خوف میں رنج تردد اور موت رہتی ہے، محبت میں خوشی، بے فکری اور زندگی رہتی ہے۔ خوف مرض اور بیماری ہے۔ محبت علاج اور شفا ہے۔ جو محبت کرتے ہیں، آواز بازگشت کی طرح محبت کا صلہ ان کو عطا کیا جاتا ہے۔ محبت کی آنکھیں برائی کو نہیں دیکھتیں اس کی نظر صرف بھلائی پر پڑتی ہے۔ اور اخلاق و تہذیب ملفظ کی مکمل تربیت میں وہ سب سے زیادہ حصہ لیتی ہے اجس میں محبت و پریم نہیں ہے۔ کبھی اُس کی پاکی کا ذکر نہ کرو۔ کیونکہ اس میں پاکی رہ ہی نہیں سکتی۔

ایک دانہ محبت ست و باقی ہمہ خس

۲۵

بُودھوں کا دھیان

تم کو شاید یہ معلوم نہیں ہوگا کہ مہاتما بدھ دیو کے پیرو کس طرح شغل کرتے ہیں۔ صبح نہا دھو کر جب وہ پوجا پاٹھ کے لیے بیٹھتے ہیں۔ وہ بدھ کا بحیثیت گورو۔ بحیثیت زندہ جاوید نیکی اور بحیثیت دائمی زندگی کے دھیان کرتے ہیں۔ پھر اپنے خیال میں دسوں دشاؤں میں اپنی محبت کے خیال کو سینچتے ہیں۔ ہمارے دشمن سکھی رہیں۔ ہم اُن کو پیار کریں۔ ہمارے

دوست سُکھی ہوں، ہم ان کو پیار کریں۔ ہم جن کو جانتے ہیں، جن کو نہیں جانتے، جن کو جانیں گے، جن کو نہ جانیں گے۔ سب سُکھی ہوں اور ہم اُن کو پیار کریں۔ پُورب، پچھم، اُتر، دکھن، نیچے، اُوپر، ہر سمت ہمارے پیار و محبّت کی لہریں محیط ہو جائیں۔ سب سُکھی ہوں اور ہم سب کو پیار کریں۔

جن کے اس قسم کے خیالات ہوتے ہیں اور وہ دائرہ کیسا پاک اور پوتر ہوگا۔ جس کو ان سچّے بھگتوں کے خیالات نے متاثر کر رکھا ہے:

(۲۶)

محبّت ہر مرض کا علاج ہے

کہنے والے کہہ گئے ہیں:-

از محبّت مردہ زندہ میشود	وز محبّت شاہ بندہ میشود
از محبّت تلخہائے شیریں شود	وز محبّت مسہا زریں شود
از محبّت خارہا گُل میشود	وز محبّت سرکہ ہا مُل شود
آتشے از عشق در جاں بر فروز	سر بسر از فکر عبادت را بسوز
مذہب عاشق ز ہر بہا جدا است	عاشقا نرا ملّت و مذہب خدا است

مگر کیا کسی کو ان زرّیں کلاموں پر یقین بھی آتا ہے؟ جس طرح تم کسی سرد چیز کو اپنے دم (پھونک) سے گرم کر سکتے ہو۔ اسی طرح محض محبّت کے خیالات پہنچنے سے نزدیک و دُور ہر جگہ برکت پھیلا سکتے ہو۔ خیالات فضول نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ موت و زندگی رہتی ہے۔ یہ اصلی چیز ہیں۔ تم اگر کسی مریض کو اپنے محبّت کے خیال دوگے، وہ تندرست بن جائے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے۔ محبت کے آتے ہی چھاتی چوڑی ہو جاتی ہے۔ رخسار دل پر گلابی ڈورے دوڑ جاتے ہیں۔ آنکھوں کو نور دل کو سرور ملتا ہے، اس سے ضعف معدہ خود بخود دور ہو جاتا ہے۔ غذا جسم میں لگتی ہے اور حواس تیز ہوتے ہیں۔ رگ و ریشوں کو طاقت ملتی ہے اور بجلی کی قوت سنسناتی ہوئی ہاتھ پاؤں، دل و دماغ۔ آنکھ کان سب کو متاثر کر دیتی ہے۔ محرور میں اعتدال کی گرمی آتی ہے، بے چینی کافور ہو جاتی ہے۔ جہاں بدنظمی تھی۔ خوش اسلوبی ہو جاتی ہے رشانتی، صبر و قرار سب کچھ مل جاتا ہے:-

۲۷

خود غرضی

وقت آئے گا، جب خود غرضی بھی عجیب دلکش صورت اختیار کرے گی۔ کیونکہ اُس وقت انسان کی اس درجہ تک تکمیل ہو جائے گی، کہ وہ فیاضی، مہربانی اور انصاف کے سلوک کے لیے خود غرض بن جاوے گا، یعنی ہر شخص اس بات کا اُمیدوار ہو جاوے گا کہ مجھ کو انصاف کرنے، مہربانی سے پیش آنے اور فیاضی سے کام لینے کا موقعہ ملے۔ اس وقت خود غرضی مبارک وصف بن جائے گی۔ آج خود غرضی کی شکایت اس درجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ سفلی طبقہ میں رہتی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں، ہم خوش ہوں۔ ہم کو دولت ملے۔ دوسرے چاہے برباد ہوں۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر جب یہ خود غرضی علوی طبقہ میں منتقل ہو جائے گی۔ لوگ دوسروں کے خوش کرنے میں اپنی خوشی تلاش کریں گے، اور انسان اتنا

شریف اور نیک ہو جائے گا کہ وہ نیکی کرنے میں خود غرض سمجھے گا۔ یہ اعلےٰ درجہ و اعلےٰ قسم کی خود غرضی ہو گی۔ (رابرٹ انگیر دسل)

(۲۸)

ایشور کی ہستی کا اقرار

ناداں کہتے ہیں، ایشور نہیں ہے۔ لیکن جو گلہ پھاڑ پھاڑ کر ایشور کا اعلان کرتے ہوئے دنیا میں ہر چہار طرف بربادی مچاتے ہیں۔ کسی کا دل دُکھایا، کسی کو بُرا بھلا کہا۔ وہ ان سے بھی ناداں ہیں۔ اور اگر ہمارے پڑھنے والے بُرا نہ مانیں تو یہ ایسے بڑے ناستک ہیں۔ جن کے منہ کے دیکھنے سے شیطان کو بھی نفرت ہوتی ہے۔ جس کو جس کا علم ہوتا ہے۔ جس کو جس کے قربت کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ اُس میں اُس کے خود خود بخود نظر آتے ہیں۔ زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے قول و فعل، کردار و گفتار، طور و اطوار سب میں سنجیدگی رہے گی۔ جس طرح وہ محیطِ کل کامل دُنیا کے تمام قوموں کا متحرک بن کر سب کو ایک قاعدہ چلا رہا ہے، اسی طرح اُس کے اُپاسک بھی من اور اِندریوں پر قابو پاکر اُن کے رُخ کو اعلےٰ مقصد کی طرف پھیر دیں گے، اور جہاں ہو رہے گئے وہاں ہی ان کی ذات سے ایشور کی ہستی کا خود بخود اقرار ہوتا رہے گا۔ ایشور پریم ہے، جس میں پریم بھاؤ ہے۔ وہ ناستک بنتا ہوا بھی پرم آستک ہے۔ کیونکہ چاہے لفظوں کے گورکھ دھندا میں آ کر وہ کچھ ہی کیوں نہ کہے، مگر اصل میں وہ ایشور سے زیادہ قریب ہے۔ اور کسی دن جب اُس کو روحانی تکمیل کا موقعہ ملے گا۔ وہ اپنی پریم کی نگاہ

سے اس پریم مے کے درشن کرے گا۔ ایشور کے پوجنے والو۔ تم اس طرح کے اُپاسک بنو۔ زبان سے کچھ نہ کہو۔ تمہارے کام بھگتوں کے ہوں۔ اور تم اس پربھو کی پرسنتا کی کمائی کر لو گے؛

(۲۹)

لوگ کیوں ناستک بنتے ہیں

نادان کیوں ایسا کہتے ہیں کہ ایشور نہیں ہے۔ اس کے تین سبب ہیں:۔

۱۔ انہوں نے ایشو کے اصلی معنی نہیں سمجھے۔

۲۔ ان کی خواہشیں پوری نہیں ہوتیں۔

۳۔ ان کو گمراہ آدمیوں کی صحبت نصیب ہوئی، جو نادانوں کی نادانی کو اپنے کسب معاش کے ذریعہ بنا رکھا ہے یا قیدیوں کے بھوگ ولاس میں پھنس کر اُپنے عیبوں کو لفظوں کے گورکھ سے چھپانے کا اہتمام کیا ہے بھولے بھالے سادہ لوح آدمیوں کے، جو ایسے لوگ ہیں۔ شیطان سے کم نہیں ہیں:۔

۱۔ ایشور کو آدمی اپنے خیال کے موافق سمجھتا ہے۔ اور اگر ان کے دُعا اور پرارتھنا کے لفظوں پر غور کرو، تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سب نے ایشور کو صرف ایک دہاں پُرش سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ وہ صرف ایک ایسی طاقت ہے، جس نے محیط بن کر باقاعدہ نظام کائنات کا انتظام کر رکھا ہے۔ ہمارے بھی الفاظ مکمل نہیں ہیں۔ نہ اُن سے ایشور کی مکمل فہرست ہوتی ہے۔ تاہم اس سے کچھ نہ کچھ وسیع تر خیال ضرور پیدا ہو گا۔

۲۔ دنیا کی کامیابی و ناکامیابی ان آدمیوں کے دماغ کو پھیر دیتی ہے۔ ان

کا لڑکا مر رہا ہے، دعائیں کی جاتی ہیں۔ لڑکا پھر بھی نہیں بچتا۔ یہ سمجھتے ہیں۔ ایشور یا تو ظالم ہے، یا بالکل نہیں ہے۔ صرف ایک فرضی وجود ہے۔ اور وہ اس سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو نادانستہ چاہِ ضلالت میں گرا دیتے ہیں۔ اور ایسے دوست تلاش کرتے ہیں۔ جو ان کے اس خیال کو تقویت دیں۔ مگر وقت آتا ہے۔ جب ان کو اپنی غلطی کی خبر پڑتی ہے۔ اس وقت تلافی کا زمانہ نہیں رہتا۔

عمر ضائع۔ راہ دُور و دراز

۳۔ ناستکوں کی صحبت کا بھی ایسا ہی اثر ہوتا ہے۔ انسان اُسی سے بالکل مادہ پرست بن جاتا ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے حکماء ہوئے۔ اُن میں سے بمشکل کسی نے ایشور کی ذات سے انکار کیا ہو گا۔ یورپ کے مشہور فیلسوف ہکسلے اسٹوارٹ مل ٹنڈل وغیرہ صرف اگناسٹک بن کر اپنی ہیچدانی کا ثبوت دیتے رہے۔ ان سب نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ مادہ کی دیوار کے پرے ہماری عقل نہیں جاتی۔ اور کیا ہم میں سے جو آستک ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ کسی ناستک کی تعلیم کی جانچ کے لئے صرف اس کی زندگی کے واقعات ہی کافی ہیں۔ ممکن نہیں کہ بالکل ناستک افراط و تفریط میں نہ جائے۔ اس میں بد اخلاقی کا مرض ہو گا، خود غرض ہو گا۔ بھوگ، ولاس کی وجہ سے اندریاں پربل ہوں گی۔ اور وہ دائم المریض بنا رہے گا۔ نہ روحانی تندرستی نہ جسمانی تندرستی، اس کے حصہ میں آئے گی۔ کمزور ہونے کی وجہ سے اس میں چڑچڑا پن کی عادت ہو گی۔ اور وہ بسا اوقات غیض و غضب میں دیکھا جائے گا۔ پرم آستک کی ان سے نسبت ہی کیا ہے؟ وہ موت میں بھی خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ دل و دماغ کی تربیت، نفس و تہذیب کی درستگی۔ روزانہ تصوّر کی برکت۔ پریم بھگتی کی مشاقی کے فیض سے اُن کا

ہر قدم آگے کو بڑھتا جائے گا۔ اور اس لافانی زندگی کا خیال رکھتے۔ علم الیقین حق الیقین اور عین الیقین کے درجوں کو طے کرتے ہوئے اصلیت سے ہمکنار ہوں گے۔ اور بلا اظہار شکایت موت کا خیر مقدم کریں گے ؎

جا مرنے سے جگ ڈرے مجھے بڑا آنند
کب مریہوں، کب پا یہوں پورن پرم آنند

(۳۰)

اپنے اندر دیکھو

ایشور کا درشن باہر نہیں اندر ہوتا ہے۔ ایشور سارے برہمانڈ میں دیا پک ہے۔ سب سے پہلے من کی تربیت کرو۔ من درمیانی حالت ہے۔ اس کے نیچے اندریاں ہیں۔ اس کے اُوپر بُدھی ہے۔ اندریاں اس واسطے پربل ہیں کہ من میں طاقت نہیں۔ من کو لھو، تہذیب کے مدرسہ میں داخل ہو کر طفلِ مکتب بنے۔ علم معرفت کے سمجھنے والوں کی صحبت کرے۔ رُوحانی سادھن میں لگے۔ اس میں اندر سمٹنے کی طاقت آوے۔ تاکہ جو قوت اندریوں کی ناش ہو رہی ہے وہ ایک مرکز پر قائم ہو۔ اس سے قوتِ ارادی کی تکمیل ہوگی۔ اور جب مشعل کا رُخ نیچے سے اوپر کی طرف کر دیا جاوے گا۔ بلند طبقات پر روشنی ظاہر ہوگی۔ اور تم دیکھ سکو گے کہ اصلیت کیا ہے اور بُدھی تم کو سچائی سے ہمکنار ہونے میں مدد دے گی۔ بغیر اس کے رُوحانی طبقہ پر پرواز کی طاقت نہیں آسکتی۔ یہ محض فرضی باتیں نہیں ہیں۔ آؤ اور دیکھو۔ عمل کرو اور اپنے لئے خود تجربہ کرو۔ کسی کا کہنا نہ سنو، خود اپنے انجھو کو بڑھاؤ۔ اگر ایشور کوئی وجود ہے تو اُس کو ساکھشاتکار کرنا چاہیئے۔ جب تک اس کا ساکھشاتکار

نہ ہو، ہم کو تم کو یا کسی کو اس کی نسبت زبان کھولنے کا استحقاق کب ہے اس لئے سب سے پہلے من کی تربیت کا اہتمام کرو، اور اس کے اندر اپنے جلوہ کو دیکھو، ے

من متھرا، دل دوارکا، کایا کاشی جان
دس دوارے کا دیہرا، تا میں جوت پچھان
پو بیہ لو ہینہ جیوں، باس ہے بیاپے با جگ نا نہہ
سنتوں ماہیں پایئے اور کہیں کچھ نا نہہ

(۳۱)

عالم کبیر و عالم صغیر

انسانی رُوح میں کائنات کے تمام مدارج موجود ہیں جن کو ہم نے نہیں دیکھا۔ انسان عالم صغیر ہے۔ لوگ اس خیال کو شاعرانہ بندش سمجھتے ہیں مگر بہت سائنٹیفک ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے۔ اسی کا نقشہ وہ باہر دیکھ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص قانون کے متابعت میں اپنے اندرونی کائنات کو باقاعدہ بنا سکے۔ تاکہ باہر بڑے کائنات سے وہ خوشگوار تعلق پیدا کرے، تو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ الوہیت کے خیال سے نجات حاصل کرلے گا۔

(۳۲)

چار آشرم

برہمچر، گرہست، وانپرست اور سنیست یہ چار آشرم ہیں اور زندگی

کے حصے بھی چار ہی ہیں۔ لڑکپن۔ جوانی، اور ادھیڑپن اور بڑھاپا اور توجہ کے ساتھ ان کے فرائض پر غور کیا جائے، تو اچھی طرح سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں انسانی زندگی کو باقاعدہ بنانے کے لئے۔۔۔ بڑی لیاقت کے ساتھ اُن کے فرائض مخصوص و منضبط کئے تھے۔ لڑکپن برہمچریہ کے لئے۔ جوانی گرہستی کے لئے ——— وان پرست اُدھیڑپن کے لئے اور بڑھاپا سبنسیٹ کے لئے مخصوص تھے۔ مختصر لفظوں میں اس کے معنی یہ ہیں (لڑکپن میں کام کرنا سیکھے۔ جوانی میں کام کرے، ادھیڑپن میں سوچنے وچار کرنے کی طاقت کو نشو و نما دے۔ اور آخر عمر میں دنیا کو اپنے تجربات و مشاہدات سے فائدہ پہنچائے۔ اس قسم کے باقاعدہ زندگی کیسی خوبصورت ہوگی اور کس آسانی کے ساتھ اصلی مقصد کی تکمیل کر سکے گی۔

(۳۷)

نیک خواہشیں

یوگ وشسٹ میں کمسن رامچندر نے سوال کیا تھا۔ کہ نیک خواہشیں بھی آخر خواہشیں ہیں، اور وہ بھی خطرہ سے خالی نہیں ہیں اور رشی نے اُن کو جن لفظوں میں جواب دیا تھا۔ وہ دراصل نہایت نصیحت آموز اور اصلیت کے طرف لے جانے والے ہیں۔ وہ کہتا ہے " اے رام! جو تم کہتے ہو وہ سچ ہے۔ لیکن جو خواہشیں اصل میں نیک ہیں، بُری نہیں ہو سکتیں اور وہ بتدریج اس اُونچے درجہ کو پہنچا دیتی ہیں۔ جہاں نیک اور بد کی تمیز نہیں رہ اور یہ سچ ہے۔ جس شخص کو یہ خیال ہے کہ دُنیا کا بھلا ہو اور اس خیال میں اُس کے کسی قسم کی خود غرضی کا شمول نہیں ہے۔ وہ شہرت کا طالب ہے،

نہ اپنی ذات کی فلاح کی فکر ہے، تو پھر کیوں اس میں بُرائی آنے لگی۔ میں سمجھتا ہوں، اگر آدمی ایسی خواہش رکھے، جو نیک ہوں تو وہ صرف اپنی خواہش سے اپنے کو اور دُوسروں کو بہت نفع پہنچا سکتا ہے۔ اگر روزانہ اچھی خواہشوں کا خیال ہوتا رہے، تو خود اُن میں ایک قسم کی زبردست خواہش پیدا ہوگی۔ جو بُرائی کا زور سے مقابلہ کرے گی اور انسان خود اپنے میلان طبعی سے کس قدر نیک اور بھلا بن جائیگا۔ نیک خواہشوں کا نام بیدار رکھنا، مناجات اور دعا ہے۔

(۳۴)

خیالات

تمہارا فلسفہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہارے مذہبی عقائد چاہے کچھ ہوں۔ لیکن اس قدر تم کو خیال رکھنا چاہیئے کہ تمہاری رُوح سچائی کے قبول کرنے کے لئے ہمیشہ آزاد رہے، رُوح کو ناحق کیوں غلام بناتے ہو۔ دُنیا میں کیا دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگ اس بات کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اپنے قدیم موروثی اور بہت دِنوں کے باطل عقیدوں کی گُدڑی کو محفوظ رکھیں۔ لیکن سچائی کے قیمتی لباس کے پہننے سے گریز کریں۔ آخر تم بُزدل کیوں بنتے ہو؟ ہر ایک قسم کے خیال سے دو بدو ملو۔ اس پر غور کرو، سوچو، بحث کرو، اور ایمانداری کے ساتھ اس کو اپنے روزانہ عمل میں جذب کرلو، اور سچے بنو، اگر دل کو نیک رکھوگے اور اس کو فراخ اور وسیع ہونے کا موقعہ نہ دوگے تو اس میں کسی وقت سڑانہد پیدا ہوگی۔ دُنیا میں مذہبی جنگ و مجادلوں کا یہی سبب ہے۔ سچائی کسی خاص قوم یا مذہب کی میراث نہیں ہے، وہ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہے اور ہر وقت تم کو نصیب ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ تمہارے دل میں قبولیت کا مادہ ہو۔ کٹر بنا کو

کسی حالت میں پسند نہ کرنا چاہیئے۔ تعصب موت ہے۔ وہ روح کو کبھی آزاد نہ ہونے دے گی۔

دل کو پاک و صاف رکھو۔ تا کہ پر تما خوش ہو کر تم کو سچائی اور روشنی سے بہرہ ور کرے۔ ع

پیر عقلت طفلگی خو کردہ است

کون شخص ہے، جو بچوں کی سادگی کو دیکھ کر متاثر نہ ہوتا ہو۔ اس میں خوبصورتی ہے، وہ اصلی اور قدرتی ہے۔ مصنوعی یا بناوٹی نہیں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو نیک مرد و عورت اس سے کم خوبصورت نہیں ہوتے کمسن بچے مثل سونے کی تختی کے ہیں، جو بطور خود بہت قیمتی چیز ہے۔ لیکن بلوغیت کے زمانہ کی نیکیاں اُس سنہری تختی کے نقش و نگار ہیں۔ جو ہیرے، موتی اور دیگر جواہرات کی پچی کاری کی طرح ہیں۔ محنت اور آرائش کی لیاقت نے اس کو پہلے کہیں زیادہ خوشنما زیادہ قیمتی اور زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ وہ پہلے کی طرح سادہ نہیں ہے۔ مگر نیکی اور بھلائی کے قلم پھر جانے سے وہ زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے۔ پر اُپکار کرنا قوم و ملک کے حفاظت میں لڑنا۔ آزادی کے لئے جد و جہد کرنا بنی نوع کے فلاح کی تدبیریں سوچنا، سچائی کا جھنڈا بلند کرنا۔ دقتوں کے مقابلہ میں کامیاب و فتح مند ہونا یہ سب اس سادہ اور شفاف تختے پر نقش و نگار ہیں۔ واقعی یہ کیا ہی اچھی تصویر ہے، جس کو دیکھنے والی آنکھ عطا ہوئی ہے، وہ اس کو دیکھتا اور قدر کرتا ہے ؛

۳۵

کمزوریوں کا مقابلہ

ہمارے گوشت و پوست کے اندر نیکی اور بدی کی طاقتیں لڑتی بھڑتی رہتی ہیں. یہی دیواسر سنگرام ہے. لیکن اگر بُرائی کا استقلال سے مقابلہ کیا جائے. تو پھر اس کی کشش اور فریب دینے والی شکل نفرت ناک معلوم ہونے لگے گی. یہ فتح کی ابتدائی منزل ہے. لیکن تمہارا کام یہاں ہی تک ختم نہیں ہو جاتا. جب گیند کسی دیوار سے ٹکر کھاتی ہے، تو پھر اس ہاتھ کی طرف لوٹتی ہے. جس نے اس کو پھینکا تھا. اگر آدمی غافل ہو کر محتاط نہیں رہتا تو بدی کا اچھی طرح مقابلہ کرنے کے بعد اس کو اس کے ہاتھ آ جانے کا سخت خوف رہتا ہے. یہاں تک کہ اس طرح کا مارا ہوا پھر جلد اُٹھ نہیں سکتا. سمجھ بوجھ کر بدی کا مقابلہ کرو. صرف میانہ روی اور اعتدال پسندی ہی یقینی اوزار ہیں. جو تم کو غالب رکھ سکیں گے :

۳۶

بڑھاپا و موت

اگر آدمی کبھی گناہ نہ کرے تو کبھی موت و بڑھاپے کا شکار نہ ہو. یہ بات شاعرانہ طریقہ میں نہیں لکھی جاتی، بلکہ اس میں اصلیت ہے. گناہ سے بچو. گیان کو حاصل کرو، اور موت و ضعیفی پر فتح ملے گی :

(۳۷)

بڑھاپا

جو بوڑھے مفلی خیال والے ہیں، اور اگیانی ہیں۔ اُن کو یا تو لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یا رحم کرتے ہیں یا ان کی صحبت سے عار کرتے ہیں۔ لیکن جن کے خیالات اونچے ہیں اور جن میں گیان ہے۔ بڑھاپے کے زمانہ میں اُن میں ایک خاص قسم کی شان آجاتی ہے۔ جو ہر کس و ناکس کو ان کی تعظیم کے لئے مجبور کرتی ہے۔

(۳۸)

مفتی و قاضی

پُورب کے مسلمانوں میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے"۔ جو شخص اُستاد کا حق ادا کرتا ہے، قاضی ہوتا ہے، جو ایسا نہیں کرتا مفتی ہوتا ہے یہ اس مسئلہ میں فلسفہ کا ایک راز بھرا ہے۔ ہر شخص کو دنیا میں ہر چیز کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ لازمی امر ہے۔ اس سے کبھی بچاؤ نہیں رشوت خور، حرام خورے، مفت خورے سمجھتے ہیں، ہم نے مال مار لیا۔ مگر یہ نادان ہیں۔ اس بات کی سمجھ نہیں رکھتے، کہ وہ اس بد عادت کی وجہ سے اوّل تو مفتی ہو رہے ہیں، یعنی روحانی طور پر اتنے گر جاتے ہیں کہ وہ بالکل بے حیثیت، بے قیمت اور بے عزت بن جاتے ہیں۔ دُوسرے نیچر اُن کو اپنا قرض دار بنا لیتی ہے، اور بُری طرح سے وہ قیمت اُن سے وصول کی جاتی ہے یہ کوئی کبھی نہ سمجھے "قرض ادا کرنا پڑے گا"،

قدرت کی سخت گیری نہایت ہی سخت ہے۔ یہ وہ مہاجن ہے، جو کوڑی کوڑی کے سُود کا حساب لگا لیتی ہے اور لوگوں کو دینا پڑتا ہے۔ ہمارے پڑھنے والوں میں سے جنہوں نے کسی کا مال مارا ہو، وہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارے کہنے سے دل میں ذرا سوچیں تو سہی۔ اس بدعمل سے ان کی روحانیت کو کیسا صدمہ پہنچا ہے۔ روحانیت کی برکت صرف اُن کو ملتی ہے، جو حق و حلال کی کمائی کرتے ہیں۔ بُو علی شاہ قلندر کہتا ہے۔ ؎

بہرِ طاعت لقمۂ باید حلال
تا نیفزاید ترا رنج و ملال
گر شوی از لقمہ شبہہ نصیر
نفس را سازی بفضلِ حق اسیر

(۳۹)

کوُچ

کوُچ کا وقت بھی کیسا دردناک ہے۔ ماں رو رہی ہے، بیوی بلک رہی ہے۔ بال بچے سر پیٹ رہے ہیں۔ اور جتنا ہی کوچ کرنے والا ان کے ساتھ محبت و پیار سے پیش آتا تھا، اتنا ہی اُن کا دکھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور کیا کبھی آپ میں سے کسی نے کوچ کرنے والے کی حالت پر بھی غور کیا ہے؟ پرماتما تیرا ہی آسرا ہے۔ جس نے اپنی کم بینی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ساری زندگی پاپ میں گذاری ہے۔ کوُچ کرتے وقت وہ ان پاپوں کے آنے والے خوفناک نتیجوں کو دیکھتا ہے۔ پاپی آدمی میں پریم نہیں تھا۔ پاپی نہ سچا، شوہر نہ سچا فرزند بن سکتا ہے۔ اس نے جب

اپنے ساتھ خود نیکی نہیں کی، تو اوروں کے ساتھ کب بھلائی سے پاپش آسکتا تھا۔ کاش اگر اس میں کسی کا بھی پریم ہوتا بیوی کا، ماں کا، باپ کا، بیٹے کا، گورو کا اور ایشور کا۔ تو اس کے پاپ دُور ہوگئے ہوتے۔ کوچ کرتے وقت وہ رو رو کر کہتا ہے ‘‘ افسوس! نہ کیا ہم نے وہ کام جو آج ہمارے کام آتا’’ آدمی کو چاہیئے، کہ اس کوُچ کے وقت کا خیال رکھے اور اپنے لواحقین کے دل میں سچّا سنسکار پیدا کر جاوے۔ تاکہ وہ اصلیت کو سمجھ کر پرماتما کے اُوپر بھروسہ رکھیں۔

(۴۰)

ہنسنا

ہنسنا کئی طرح کا ہوتا ہے۔ کوئی قہقہہ مار کر ہنستا ہے، کوئی مسکراتا ہے۔ کوئی اعتدال کے ساتھ ہنستا ہے کسی کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں، کسی کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ سینکڑوں قسم کا ہنسنا ہوتا ہے۔ کوئی کہاں تک اس کی وضاحت کر سکے۔

جب سے ہم یہاں آئے، دو ایک آدمیوں کے ہنسنے کے طریقہ نے ہم کو اس خاص بات کے مطالعہ کی جانب مجبور کیا اور اس مطالعہ نے ہم کو کیا سکھایا؟

جو مکار اور پالیسی باز ہیں، وہ اپنے ہنسنے کی آواز میں ہہ ہہ ہہ کرتے ہوئے اپنی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اپنی دانست میں ہنستے ہیں مگر مطالعہ کرنے والا اس ہنسی میں اس کے دل کی اصلی حالت کا عکس دیکھتا ہے۔ آواز بتاتی رہتی ہے۔ یہ مکار اور دھوکے باز کی ہنسی ہے۔

جس سے اصلی خوشی کوسوں دُور ہے ۔

دِل سے کھُلا ہوا آدمی زور سے ہنستا ہے جس سے اس کی صاف باطنی ظاہر ہوتی ہے ۔

ایک شخص ہے جو صرف مسکراتا ہے ۔ تہذیب، اخلاق و شائستگی کی مجسّم تصویر، اس کی اپنی مسکراہٹ میں ایک نرالی اُدا ہے ۔ جو طبیعت کو بھاتی ہے ، مسکراہٹ کیا ہے ۔ گویا گلاب کی پنکھڑیاں کھِل رہی ہیں ۔ یہ فرشتہ سیرت اور نیک مرد ہے اور اس کی مسکراہٹ میں نیکی و برکت کا شمول ہے ۔

دوسرا شخص ہنستا کیا ہے ، گویا روتا ہے ۔ اس کی ہنسی میں اور رونے میں تمیز کرنا مشکل ہے ۔

غرض کہ اگر گہری نگاہ سے دیکھو ، تو تم کو ہر انسان کی ہنسی میں اس کے چال چلن و دل کی حالت کا آئینہ نظر آئے گا ۔

(۴۱) سمجھ کی کمی

رام میں ان کی زندگی میں وہ عزّت نہیں تھی جو آج ہے ۔ نانک کو لوگ اتنا برگزیدہ پہلے کب کہتے تھے ، جیسا کہ اب کہتے ہیں ۔ کبیر کے کلام کو ان کے وقت کے آدمی کب اس طرح وقعت کے کان سے سنتے تھے ۔ بات یہ ہے جس اچھے سے اچھے انسان کو لوگ روزانہ دیکھنے سُننے کے عادی ہیں ۔ اس کو وہ معمولی سمجھتے ہیں ۔ ان کو اس کی خوبیاں سمجھ میں نہیں آتیں ۔ نہ اس کی زندگی میں اس کی اتنی عزّت کی جاتی ہے ۔ یہ سب لوگ مثل اس خوبصورت کتاب کے ہیں جو کسی بچّہ کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ زور سے اس کو اُلٹتا پلٹتا رہتا ہے ۔ لیکن جب

تک دست و شعور کو نہیں پہنچتا۔ اُس کی اندرونی خوبیوں سے واقف نہیں
ہوتا۔

ہم کو چاہیئے۔ اس غلطی میں کبھی نہ پڑیں۔ کیونکہ ممکن ہے۔ ہماری زندگی میں ایسے آدمی ملیں۔ جو اخلاق و تہذیب مجسّم ہوں۔ مگر روزانہ میل جول سے ہم اُن کی پرواہ نہ کرتے ہوں۔

(۴۲)

زندگی کا مقصد

زندگی کا مقصد کبھی یہ نہیں ہے کہ آدمی مصوّر، حاکم یا منصب بنے۔ بلکہ یہ ہے کہ سچائی کے قبول کرنے کی قابلیت کی تکذیب کرتا رہے تاکہ سچائی کا نور شخصی زندگیوں میں شان کے ساتھ چمک اُٹھے اور وہ دُنیا میں سُکھ اور راست بازی کی سلطنت قائم کرنے میں مدّدگار ہو۔ اس کی تکمیل کے مختلف ذریعے ہیں کوئی مصوّر بنا ہوا اُسی قسم کے شغل میں اپنی اندرونی حواس کو نشو و نما دے رہا ہے۔ کوئی شخص بحیثیت شاعر و انشاءپرداز اسی کام میں لگا ہے۔ کھانا کھانے کا مقصد میٹھے چاول کھانا لذیذ خوش ذائقہ کی لذّت لینا یا رُوکھا سوکھا کھانا نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جسم کی مرمت ہوتی رہے اور یہ غذا خواہ کسی قسم کی ہو، اس کو مدّد دیتی رہے۔ تاکہ جسم اصلی مقصد کی تکمیل میں سرگرم رہ سکے۔ وہی حیثیت ہمارے مختلف پیشوں کی ہے۔ انسان چاہے ڈاکٹر ہو خواہ وکیل ہو۔ اس پیشہ کو اصلی ترقی کا آلہ بنائے۔

جب ہم کو معلوم ہونے لگتا ہے کہ ہم روحانیت میں ترقی کر رہے ہیں تو ہم کو خوشی معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ زندگی کا مقصد نشوونما

ہے۔ تب کامیابی و ناکامیابی دونوں ہی ہمارے علم و لیاقت کو ترقی بخشتی رہتی ہے اور ہم حالات و واقعات پر حاوی ہو کر خوشی سے ہمکنار رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم جسم میں روح ہیں اور روح کے اندر اُندرونی طاقتوں کا راز ہم پر کھلنے لگتا ہے۔

جب انسان کے اندرونی حواس کی تکمیل ہونے لگتی ہے۔ وہ ہشّاش بشاش بن جاتا ہے اور اس کے دل کا دامن ناکامیابی کے کانٹوں کے الجھن سے چاک نہیں ہوتا۔

لیکن تم اس خوشی کو بھی زندگی کا مقصد نہ سمجھو۔ مزید ترقی کی تکمیل میں برابر سرگرم رہو۔

اندریں راہ مے تراش و مے خراش
تا دمے آخر دمے غافل مباش

یہ تکسیب و تکمیل تم کو کسی وقت اُس اعلےٰ قانون کے ساتھ مطابقت کرنے کی قابلیت عطا کرے گی جو محیط کل ہے اور تم موت پر غالب آجاؤگے۔

۴۳

دھرم اور فرض

دھرم اور فرض کو کبھی ناخوش گوار نہ سمجھو۔ منصبی فرض کے انصرام میں پس و پیش نہ کرو۔ کیونکہ اس میں مذہبی تقدیس ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنے فرض کو فرض کی طرح سمجھ کر کرے تو وہ خیر و برکت کا باعث ہوگا اور اس کو شانتی نصیب ہوگی۔ جو شخص باہر کام کرتا ہے، وہی اندر بھی کر سکتا ہے۔ جس کے باہر زندگی ہے، اُس کے اندر بھی زندگی ہوتی ہے جو باہر خوبصورتی کا شیدا

صفائی کا عاشق - خوش ترتیبی و ضابطہ کا خواہشمند ہے - سمجھ لو ان سب کی جڑ اُس کے اندر ہے -

جس بہشت و ویکنٹھ کا فرضی نقشہ اہل مذہب کھینچنا چاہتے ہیں - وہ دراصل ہمارے دل کی بشاشت کی وسیع و نسبتاً زیادہ مکمل تصور ہے بہشت تمہارے ہی اندر ہے -

(۴۴)

خیال

صاحب خیال کی طاقت کا اندازہ کوئی شخص نہیں لگا سکتا - خیال میں جس قدر مضبوطی اور طاقت ہوگی - اتنا ہی اس کا نتیجہ قطعی اور یقینی ہوگا -

وہ خیال ہی طاقت ہے جو ہارن، اُچیاٹن اور روشنی کرن میں شکتی مارگ والے استعمال کرتے ہیں -

وہ خیال ہی طاقت ہے جس کے پریم کے سیلاب سے گوتم بدھ نے دنیا کو پھیر کر دیا تھا -

غصہ ور اور غضب ناک ماں سے کہو غصہ کے وقت اپنے بچے کو دودھ نہ پلائے - کیونکہ اس کے خیال میں تیز زہر کی خاصیت آگئی ہے - اور اس کا دودھ بچے کے لئے مہلک ہوگا -

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے خیال میں طاقت آوے تو بڑھو کم اور گنو زیادہ گننے سے ہمارا مطلب سوچنے اور غور کرنے سے ہے -

آدمی اپنے خیالات کو دو طرح سے دوسرے کے دل میں منتقل کرتا ہے

ایک کو جسمانی اور دوسرے کو رُوحانی کہہ سکتے ہو۔ پہلے کا تعلق صرف من سے ہے۔ دوسرے کا من اور دماغ دونوں سے ہے۔

دماغ میں ایک جگہ ہے۔ جو گرہ کی شکل کی ہے۔ وہی تمام رگ و ریشوں کا مرکز ہے۔ وہاں ہی وہ چیز جمع ہوتی ہے۔ جس کو سنسکرت میں اوجس کہتے ہیں اور جو بیرج کا لطیف حصّہ ہے۔ یہ خیالات کے منتقل کرنے کی اندری ہے جیسے آنکھ دیکھنے اور کان سننے کی اندری ہے۔ جیسے من میں ترنگ اُٹھتے ہیں ویسے ہی اُس میں بھی لہریں اُٹھا کرتی ہیں اور یہ لہریں باہر نکل کر اسی طرح پھیلتی ہیں۔ جیسے کہ سمندر کی لہریں اوپر کو اُٹھتی ہیں۔ سنت، صوفی، مہاتما اپنے خیال کو زبان کے ذریعہ سے نہیں۔ بلکہ ویسے ہی دماغ کے ذریعہ سے منتقل کر دیتے ہیں۔ اسی کو کشف اسی کو سینہ کی تعلیم۔ اسی کو ایک دوسرے کا عکس لینا کہتے ہیں۔ م؎

شیخ[1] افغان است وبے آلتے حق[2]
با مریداں وا دبے گفتن سبق
ما بروں را بنگریم وقال را
ما دروں را بنگریم وحال را

سنتوں کا مارگ کتابی علم نہیں ہے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سینہ بہ سینہ ایک پُشت سے دوسری پُشت ایک آدمی سے دوسرے آدمی تک منتقل ہوتا آیا ہے۔ یہ قدیم لایزال علم ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ دوسرا طریقہ خیال منتقل کرنے کا زبان سے ہے۔ ہم لیکچر دے کر تقریر

---

[1] گورو [2] نراکار [3] خدا

سُنا کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔
ان دونوں طریقوں سے ہم لوگ ہمیشہ دُنیا کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔

(۴۵)

سمادھی

لوگوں نے چت کی ورتی کے نردوہ کو جہولیت کی حالت سمجھ رکھا ہے وہ جانتے ہیں۔ جب آدمی خاموش ہو کر پتھر کی طرح بن جاتا ہے، اُسی کو سمادھی کہتے ہیں یہ لوگ کیسی غلطی میں پڑے ہیں۔ کیا پتھر کی حالت اچھی ہے؟ اسی طرح موکش کا بھی خیال کر لیا جاتا ہے۔ کیا پتھر کی حالت موکش کو کوئی شخص پسند کرے گا؟ نہیں مگر جس سے چاہو، پوچھ دیکھو۔ اُس کی سمجھ بوجھ اس سے زیادہ نہیں ہے۔

سمادھی دراصل روح کی باقاعدہ سرگرمی کا نام ہے۔ جس میں بیرونی حواس، اندرونی حواس میں مل کر اپنا رُخ اور طرف بدل لیتے ہیں۔ اس کی نسبت پھر کبھی لکھا جائے گا۔

(۴۶)

Moral education

زبردستی کا قانون اور رحم کا قانون

راجہ کا دربار گرم تھا۔ مقدمات کی سماعت ہو رہی تھی۔ دو کمسن خوبصورت لڑکے مستغیث بن کر حاضر ہوئے۔ راجہ اُن کی طرف مخاطب ہوا "لڑکو! تم کیا چاہتے ہو؟" اور اُن میں سے اس نے جو ذرا شوخ مزاج تھا۔ جواب دیا "یہ راج ہنس جو راج کمار بغل میں لئے ہوئے ہیں۔ میرا ہے مگر یہ مجھ کو نہیں دیتے۔ سب سمجھا کر تھک گئے۔ اس لئے ہم دونوں عدالت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاتھ ہمارا

انصاف ہے۔

راجہ نے نابالغ لڑکوں کی توجہ کی نگاہ سے دیکھ کر پوچھا "دیودت! کس قانون کی رُو سے اس راج ہنس کے دعویدار ہو؟" دیودت بولا "زبردستی اور طاقت کے قانون سے اس پر میرا حق ہے۔ آپ سُنیئے پرسوں صبح کا وقت تھا۔ جب راج ہنسوں کا جھنڈ مُنڈ ٹا ہوا اڑا چلا جا رہا تھا۔ راج کمار سدھارتھ ان کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اپنی عادات کے موافق ان کا رنگ رُوپ۔ آواز وغیرہ پر وچار کرنے لگا۔ میں نے اپنی کمان ہاتھ میں لی، اور میرے کبھی نہ خطا کرنے والے تیر نے اُس کو زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ چونکہ میں نے اس کو تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ اس لئے یہ میرا ہے۔ راج کمار کا نہیں۔"

راجہ نے دوسرے لڑکے کی طرف دیکھا جو مزاج کا حلیم تھا۔ نظر کی۔" سدھارتھ تم بتاؤ کس قانون کی رو سے یہ پرند تمہارا ہے؟" اور آئندہ زمانہ کے روحانی معلّم نے خوش آئند لہجہ میں جواب دیا۔ "مہاراج! میں رحم اور دیا کے قانون سے اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے دیودت نے اس کو مارا۔ مارنا دراصل ایک چیز کے ضائع کر دینے کا نام ہے۔ نہ وہ مارنے والے کی رہتی ہے نہ اوروں کی۔ تڑپتا ہوا راج ہنس زمین پر آ رہا۔ اس کے پَر خون کے بہنے سے رنگین ہو رہے تھے۔ مجھ کو ترس معلوم ہوا۔ میں نے جھپٹ کر دیا بھاؤ سے اس کو گود میں لے لیا۔ زخموں پر مرہم پٹی لگائی۔ اس لئے یہ میرا ہے۔"

راجہ شُدھو دہاں مقدمہ سُن کر متعجب ہوُا۔ وزیروں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا "تم بتاؤ۔ ان میں سے کون صحیح اور کون غلط ہے؟" وزیر خاموش ہو گئے۔ اتفاق سے دربار میں ایک سادھو موجود تھا۔ اُس نے ہنس کر کہا "اس مقدمہ کا فیصلہ آج ہنس کی شہادت پر چھوڑنا چاہیئے۔ جس کے بلانے سے وہ اس کے

پاس آ جائے وہ اسی کا ہے ۔"

راج ہنس کو آزاد کیا گیا ۔ سب سے پہلے دیودت نے اُسے بلایا مگر
اُس نے اپنا رُخ پھیر لیا، مگر جس وقت سدھارتھ نے ہاتھ کا اشارہ کیا سمجھ دار
ہنس پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا اُس کے پاؤں کے پاس آ کر محبت کا اظہار کرنے
لگا ۔ اور راج کمار نے اُس کو اپنی گود سے چمٹا لیا ۔

اس قسم کا نظارہ دیکھنے والوں کے لئے خاص قسم کا لطف رکھتا ہے
حق چاہے کسی کا رہا ہو ۔ مگر رحم اور دیا کے خیال نے دلوں کو متاثر کر دیا ہے
راج ہنس سدھارتھ کا ہو گیا ۔ اور اُس نے ہنس کو اونچا کر کے کہا "اے
ہمالیہ کے آزاد پرند! تو اپنے وطن کو واپس جا ۔ تیرے دوست اور عزیز گھبراتے
ہوں گے ۔ میں چاہتا تھا کہ تو میرے پاس میرا ہو کر رہے ۔ مگر تیرے بچوں کے
خیال سے میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں اب میرا بھائی تجھ کو نہ ستا وے گا ۔" اور جانور
اپنے بال و پر کو پھیلا کر اوپر کی طرف اُڑا، اور کمسن سنت کو احسان کی نگاہ
سے دیکھتا ہوا تھوڑی دیر بعد نظر سے اوجھل ہو گیا ۔ درباری خاموش تصویر
حیرت بن گئے ۔ اور سدھارتھ محبت اور پریم سے اپنی باہیں اپنے ماموں زاد بھائی
دیودت کے گلے میں ڈال کر ہنسی خوشی کے ساتھ محل میں آیا ۔ اُس وقت سدھارتھ
کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ کی نہیں تھی ۔

یہی سدھارتھ مابعد زمانہ میں گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوا ۔ سچ
ہے ۔

"ہونہار بروان کے ہوت چکنے پات"

(۴۷)

خاموشی کا الہام

جب تو خاموشی اور محویت کے عالم میں رہتا ہے۔ اس وقت تو وہ بن جاتا ہے، جو ایشور قدرتی کاروبار سے پہلے تھا۔ نہ اُس وقت آگ تھی نہ پانی۔ نہ ہوا اور مٹی۔ نہ کوئی چاند ارہی تھا۔ اس خاموشی کے وقت تو وہ سنتا ہے دیکھتا ہے جس کو ایشور دیکھا اور سُنا کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت تیری خواہش تیری خاص بصارت اور تیری خاص سماعت کی ابتدا نہیں ہوئی تھی ؎

چیست توحید خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن

"حبیب برہمی"

(۴۸)

اپنے اندر دیکھنا

چونکہ انسان اپنے اندر نہیں دیکھتا۔ اس لئے اس کو اپنے فرض کے انجام دینے میں رُوحانی خوشی نہیں ملتی، اس کو علم بھی نہیں ہوتا، کہ فرض کی خصوصیت اور اہمیت کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرض کی جگہ بیجا جوش اور خواہش لے لیتی ہے

لوگ اپنے اور دوسرے کے رُوحانی استحقاق کے علم سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ انانیت اور آتما کے علم سے روز بروز محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور خودپسندی اور خواہش کے دام میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

چونکہ انسان اپنے اندر نہیں دیکھتا۔ وہ سمجھتا ہے۔ باہر کی دنیا پتھر کی طرح سخت ہے۔ جس کو سائنس کا انجن بتا رہا ہے، وہ خود اس کے ٹکڑے ہیں۔

اور ان میں تھوڑی سی تمیز کی عارضی چمک آ جایا کرتی ہے۔ جیسے پتھر کے جڑے ہوئے ٹکڑوں میں سے روشنی نکلتی ہے۔

چونکہ انسان اندر کی طرف نہیں دیکھتا، اس کو اس اعلیٰ طاقت، اعلیٰ قانون اور اعلیٰ مرضی کا علم نہیں ہوتا۔ اور یہی نہیں، بلکہ اس کی ہستی میں بھی شک رہتا ہے۔

دیکھنے کی قوت اندر سے آتی ہے، باہر سے نہیں۔ اندر ہی کی طاقت پر ہماری ترقی کے امیدوں کا انحصار ہے۔ اندر کی طرف دیکھنے سے نہ صرف ہماری انسانیت مکمل ہوگی، بلکہ ہم اس سے بھی آگے بڑھ چلیں گے ؛

(۴۹)

اپنی غرض

جہاں کہیں اور جب کبھی اپنی غرض کا سوال آتا ہے، وہاں ہی خرابی ہوتی ہے۔ انسان کا اعلیٰ وصف یہ ہونا چاہیئے کہ وہ حتی الامکان اپنے خاص اور خاصی اغراض کو کسی نیک کام کا سدِ راہ بنائے۔ بہت سی طبیعتیں دُنیا میں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ وہ کام کے سلسلے میں شہرت، نمود اور ذاتی نفع کا خیال رکھتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل کی ناپاکی سے اس پاک کام میں بھی نفع واقع ہوتا ہے اور باہمی رنجش کا موقعہ آجاتا ہے۔ اگر انسان تمام کام پرماتما کے حوالے کر رکھتا ہے۔ اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرتا، تو شاید اس کو بہت زیادہ کامیابی کی اُمید ہو سکتی تھی۔ اور وہ اپنی غرض کو ہر جگہ ہر موقع پر شامل کرتا رہے گا، تو یقین رکھو، وہاں حسد، فریب کے جذبات اُبھر کھڑے ہوں گے۔ صاحب غرض کی بات کو کبھی بھی دل سے نہ سُننا چاہیئے۔ کیونکہ اس سلسلے میں دل میں طرح طرح کی کمزوریوں کے پیدا ہونے

کا خوف رہتا ہے :۔ ؎

زصاحب غرض تا سخن نشنوی
کہ گر کار بندی پشیمان شوی

ترجمہ:۔ خبردار۔ صاحب غرض کی کوئی بات سنو۔ کیونکہ اس پر کار بند ہوگے تو پشیمانی کا نتیجہ ہوگا ۔

(۵۰)

مُردہ کو زندہ کرنا

سارا گوشٹین، کلیولنڈ (امریکہ) کی رہنے والی ایک میم ہے۔ اس کی لڑکی مرگئی تھی۔ جس کو اُس نے ۲ دو گھنٹے کے لئے از سر نو زندہ کر دیا کہتے ہیں لڑکی ایک مہینہ سے بخار کی بیماری میں مبتلا تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرگئی اور اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ غریب ماں بستر کے قریب بیٹھی ہوئی رونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس پر محویت کی حالت طاری ہوگئی۔ اس نے بے ہوشی میں اپنی لڑکی کے مردہ جسم کو گود میں اُٹھایا اور ایسی مہمل باتیں کرنے لگی۔ جس کو کسی نے بھی نہیں سمجھا۔ لڑکی کے سانس آجانے لگے۔ اور ۲ دو گھنٹہ تک وہ برابر زندہ رہی۔ ماں برابر محویت کے عالم میں رہی اور تھوڑی دیر بعد اس کے عزیز و اقارب کو معلوم ہوا کہ گویا وہ اپنی لڑکی سے بات چیت کر رہی تھی۔

یہ بات در اصل اتنی عجیب نہیں ہے، جتنی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کو اس طرح سمجھنا، کہ یہ ایک خاص چیز ہے، جو علیحدہ علیحدہ رہتی ہے۔ یہ ایک اُصول ہے، جو ہر ہے، قوت ہے۔ جو دنیا کے ہر گوشہ میں بکھرا ہوا

اور محیط ہے۔ ہر مخلوق کو اس کا حصّہ ملا ہوا ہے اور وہ اوروں کے ساتھ اس
سے بہرہ ور رہتا ہے۔ جو شخص ایک دُوسرے کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں وہ
وہ باہمی تعلق کا نفع اُٹھاتے ہیں اور ایک کی ذات دوسرے کے لئے فائدہ
بخش ہوتی ہے۔ اکثر ہم اپنی سفلی طبیعت اور مُردہ دلی کی عادات سے اپنے
ساتھیوں کو نیچا گرا دیتے ہیں۔ دوسروں کو اپنی بشاشت، اپنی زندہ دِلی اور
اپنی ہمّت سے بلند خیال بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح جو عمر اور بیماری سے کمزور
ہو جاتے ہیں۔ محض اپنے دوستوں کی ہمدردی اور قوتِ ارادی سے عرصہ
تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ مندرجہ چند واقعات کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے۔ اگر
جسم بالکل ناکارہ بن گیا ہے اور اس لطیف جوہر کے رکھنے کے قابل نہیں ہے
تو یہ بات البتہ غیر ممکن ہو جاتی ہے۔ ماں کی ہمدردی اپنی اولاد کے لئے
اس قدر زبردست ہوتی ہے کہ اُس میں ایک خاص چھپی ہوئی طاقت کا
گمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر قوموں پر زندگی کے واپس آنے کے
واقعات سُنے گئے ہیں۔ بہت سے بیمار محض دوستوں کی ہمدردی سے اچھے
ہو جایا کرتے ہیں۔ لوگ ان باتوں کو عجیب و غریب بتاتے ہیں۔ حالاں کہ یہ
معمولی واقعات ہیں۔ سبب یہ ہے کہ وہ اصلیت سے جانے کی پرواہ
نہیں کرتے۔

(۵۱)

چٹان کے وار پار جانے والے تیر

جاپانیوں میں ایک قصہ مشہور ہے۔ پندرہ صدیاں گزری ہوں گی، قدیم
جاپان میں ایک مشہور کمان دار رہتا تھا۔ جس کا نام تواراتوڈا تھا۔ تمام سلطنت

ہیں، اس سے زیادہ تندرست تیرانداز کوئی بھی نہیں تھا۔ شکار میں، دشمنوں کے مقابلہ میں کمانڈروں کے کرتب دکھانے کے موقعوں پر اس کو کبھی ناکامیابی نہیں ہوتی تھی۔ جب جاپان کے اپنے ایک ہمسایہ سلطنت کے ساتھ لڑائی ہوئی، شہنشاہ مکاڈو نے اُس کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ لوگوں کو اس بات کا پُورا پُورا یقین ہو گیا تھا کہ تواراتوڈا کے ایک تیر سے بیس تیس آدمی ہلاک ہو جایا کرتے ہیں۔ اس کی شہرت دور دُور پھیل گئی تھی اور وہ اپنی طاقت پر غرور کرتا ہوا خوشی سے زندگی بسر کرتا تھا۔

ایک دفعہ اس کے پاس ایک بدحیثیت کسان آیا۔ اور سلام کرنے کے بعد کہا "قابلِ تعظیم تواراتوڈا۔ ہمارے صوبہ میں ایک خوفناک اور خونخوار اژدہا آیا ہوا ہے، جو کم سے کم بیس گز لمبا ہے، وہ آدمی اور مویشیوں کو کھا جاتا ہے۔ ہم سخت تکلیف میں ہیں۔ بہت کوشش کی گئی۔ لیکن ہم میں سے کوئی اس کو مار نہ سکا۔ تمہارے سوا دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ جو ہم کو اس موذی سے نجات دے۔ کیا تم اپنی قوموں کی فریاد سنو گے؟

تواراتوڈا کے دل میں خوشی کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ جس شخص سے اُس کے ہموطن اس طرح مدد کی درخواست کریں۔ بھلا اس کی قسمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ مہربان مزاج اور دلیر تواراتوڈا نے کمان ہاتھ میں لے لی۔ اور کسان کے ساتھ اژدہا کی تلاش میں روانہ ہوا۔

اس کی آنکھ تیز تھی اور چونکہ دل میں غریبوں کی مدد کا خیال موجزن تھا۔ اُس نے دُور سے جانور کو دیکھا، وہ پہاڑ کے دامن میں رینگتا ہوا جا رہا تھا۔ اُسی وقت کبھی نہ خطا کھانے والا تیر کمان سے چھٹا، اور ایک لمحہ کے بعد تمام پہاڑ جانور کے درد کے شور سے گونج اُٹھا۔ جانور مرا نہیں تھا

صرف زخمی ہوگیا تھا۔ وہ وہاں سے چلاتا ہوا بھاگ نکلا۔ اور چٹان کے دوسری طرف جاکر پناہ لی۔

توارا توڈا بہت فاصلہ پر تھا، اس کو پتہ نہیں لگا کہ جانور کدھر گیا تلاش کرتے ہوئے اُس کے دل میں خیال گذرا۔ سامنے کوئی سیاہ چیز نظر آرہی ہے۔ جو دو درختوں کے بیچ میں پڑی ہے۔ توارا توڈا نے سوچا اگر جانور نہیں مرا، تو اس کی نیک نامی ہمیشہ کے لئے جاتی رہی گی۔ اور وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد میں ناکام رہے گا۔ مگر اس کے دل میں سچائی تھی۔ وہ سچے دل سے کام کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اُسی وقت دوسری تیر کو کمان سے جوڑ لیا اور سیاہ رنگ چیز کو نشانہ بنایا، مگر اس کو حرکت نہیں ہوئی۔

گھوڑوں کو ایڑ لگا کر حملہ آور جماعت آگے بڑھی اور دیکھا سانپ مرا ہوا پڑا تھا۔ تیر اُس کے سر میں گڑ گیا تھا۔ تیر نے چٹان سے گزر کر بدکار اژدہا کو خاک میں ملا دیا۔

جاپانی اس قصہ سے ایسے سبق اخذ کرتے ہیں۔ یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ تم اپنے وقتوں کو خواہ مخواہ نگاہ کے سامنے رکھو۔ اگر تمہاری قوت ارادی منضبط ہے، تمہاری نیت سچی ہے، تمہارا عقیدہ پختہ ہے۔ تو غیر ممکن کو ممکن کر دکھاؤ گے۔ سُن رکھو۔ تمہارے مقصد کا تیر چٹان کو چھیدتا ہوا باہر نکلے گا اور دشمن کو ہلاک کردے گا۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

جاپان کے فوجی گیت میں اس قصہ کا خلاصہ ان لفظوں میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ ؎

سیلاب سے منہ موڑو نہ آفت سے ڈرو تم

صدموں کا نہ ہو خوف نہ کچھ فکر کرو تم
خون اپنا گرا دو کرو دُنیا تہ و بالا
جاپان کا جھنڈا اُو بھے ہو جائے اُجالا
مرتا ہو تو مرو ملک کی الفت نہیں چھوڑو
تا زیست کبھی اس کی محبت نہیں چھوڑو
جینے کا یا مرنے کا کبھی دھیان نہ لاؤ
کچھ غم میں تیر سہو اور برچھیاں کھاؤ
آجائے کہیں موت بھی گر کاش تمہاری
اس جھنڈے کے پہلو میں رہے لاش تمہاری
اس شمسی عَلم کے لئے تم جان سے کھیلو
تیروں سے جگر کوہ کا یکبارگی چھیدو

(۵۲)

فرض کے ساتھ پریم کو بھی شامل کرو

کرنل انڈرووڈ میکسیکو (امریکہ) کے رہنے والے ہیں۔ اُن کے پاس ۲ دو پھول کے درخت تھے۔ جس وقت اُس نے اُن کے ساتھ اپنے خیالات کے تجربہ کی ابتدا کی۔ دونو تندرستی کی حالات میں تھے۔ ایک درخت کو اُس نے پریم و محبت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ اُس کو اچھے خیال سے سوچنے لگا۔ اس کی خوشبو پھول کی خوب صورتی اور ٹہنیوں کی بناوٹ کی تعریف کیا کرتا۔ اپنے دل سے ہمیشہ اس کو دعائیں دیتا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرح خیال کی مدد سے اس کی بالیدگی اور نمود میں ترقی ہوتی

دہی۔ یہ درخت فوراً بڑھ گیا۔ اس میں پھول پھل آئے۔ جن میں خاص قسم کی خوشبو تھی۔ ایک ہی دن کے اندر اس کے رنگ میں چمک اور خوبصورتی آگئی کرنیل کہا کرتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے، یہ درخت مجھ کو پہچانتا ہے، اور میرے آنے سے اس کو خوشی معلوم ہوتی ہے۔

دوسرے درخت کو یہ کرنل بُری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ اس کو اکثر لعنت و ملامت کرتا، اس کو شرم دلاتا۔ تین دن کے عرصہ میں وہ مُرجھا گیا، ترقی رک گئی۔ اور ایک ہفتہ میں سوکھ گیا۔ کرنل کا بیان ہے۔ اُس نے اُن دونوں درختوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

پیارے پڑھنے والو۔ یہاں تمہارے سوچنے وچار کے لئے کیسا خوبصورت سبق ہے۔ جن سے ملو ہنستے ہوئے ملو، تاکہ اس تمہارے پریم کا حصہ ملے۔ اپنے تحریروں، تقریروں، بات چیت میں، پریم کے اُصول کو ملا دیا کرو، تاکہ جہاں کہیں تمہارے تصنیف و تالیف و کاروبار کا ذکر ہو۔ اُس جگہ پریم کا چشمہ جاری ہوجائے۔ تمہاری باتیں زخموں پر مرہم رکھیں، تمہارے حرکات سے اوروں کو زندگی عطا کرو۔

جو بات میں نے اور لکھی ہے، وہ میری بھی تجربہ کی ہوئی ہے۔ بریلی میں نے اپنے بہت سے درخت لگا رکھے تھے۔ میں سب کو پیار کرتا تھا۔ جب میں کبھی ان کے پاس سے نکلتا۔ اِن میں ہر ایک طرح کی حرکت پیدا ہوتی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ مجھ کو پیار کرنا چاہتے ہیں۔

میرے اُو پر مہربانی فرما کر یہ خیال اپنی بیوی اور بہنوں کے دل میں

بھر دو۔ نیک عورت اگر چاہے تو بمقابلہ مرد کے تمام گھر کو جلد سُدھار سکتی ہے اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی روٹی میں خاص پریم ہوگا۔ اس کے پروسے ہوئے کھانے میں خاص لطافت ہوگی۔ وہ اپنے ہر کام سے سارے گھر کو خیر و برکت سے بھر سکتی ہے۔ جو اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی غذا کھائیں گے۔ ان کی زندگی میں خاص قسم کی نیکیاں، طاقت، لطافت اور قوتِ ارادی پیدا ہوگی۔ اگر وہ چاہے تو ثقیل سے ثقیل غذا تمہارے معدہ سے ہضم کر سکتی ہے۔ اگر وہ اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی روٹیوں سے کہے کہ تو شوہر اور بیٹے کو تندرست رکھ۔ تو وہ اس کا حکم بجالائیں گی۔ دوستو! تم بھی پریم سے کام لو۔ پریم کا بیج اپنے گھروں میں بوؤ۔ تاکہ تمہارے وارث اچھی فصل کاٹ سکیں، ورنہ کرنل اندر روڈ کے ببول کی طرح خراب نتیجہ ہوگا۔

کرم کرو، مگر کرم کے ساتھ محبت و پریم کو شامل کرو، کیونکہ

از محبت خارہا گل میشود ؎ از محبت سرکہ ھا مل میشود

(۵۴)

نور کی زندگی

نفسانی لذّات کی رات ختم ہوگئی۔ اب رُوحانیت روزِ روشن ہے۔ روحانیت کے نور میں مَیں اب اپنے آتما کو دیکھ رہا ہوں۔ رات کی تاریکی کا کوسوں پتہ نہیں۔ میں اب آزاد ہوں، رنج، دکھ، بیماری اور مصیبت سب کے پنجوں سے ہمیشہ کے لیے چھُوٹ گیا۔ اصلی تندرستی، اصلی خوشی اور اصلی طاقت میرے حصہ میں آگئی ہیں اپنی سچّی ماتا کی گود میں خوشی اور

سرور کے ساتھ مچل رہا ہوں۔ ماتا میری ہے۔ میں ماتا کا پُتر ہوں، مجھ میں جو کچھ ہے، ماتا کا ہے۔ آنکھ، ناک، کان، دل، دماغ جو کچھ مجھ میں ہے وہ سب ماتا کا ہے۔ ماتا کا دیا ہوا ہے اور پھر میں کون ہوں؟ آخر میں بھی تو اُسی کا ہوں۔ اس خیال نے مجھ کو خودی کے دائرہ سے نکال کر بے خودی کے سرور کا وارث بنا دیا۔ عقل اور نادانی کے طبقات سے باہر آ کر اب مَیں آنند اور سرور کے چمن میں سیر کر رہا ہوں۔ ؎

شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

مایا کا لباس خود بخود اُتر گیا۔ جیسا میں ابتدا میں تھا، ویسا ہی اب ہو گیا۔ ماتا مجھ کو دیکھ کر مُسکراتی ہے۔ میری بلائیں لیتی مجھ کو چُومتی ہے۔ میرا لاڈ کرتی ہے اور میں اس کے دامن کو پکڑے ہوئے سُرور، مسّرت، بے پروائی اور پریم کے ساتھ وچرتا ہوں۔ میں معشوق ہوں، ماتا میری عاشق ہے۔ پُتر اپنی ماتا کا ہو گیا۔ تصوّر اور پریم نے وہ حالت عطا کر دی جو بیان میں نہیں آ سکتی۔ ؎

اور سُرت بسری سکل نس دن گورو کا سنگ
آؤ جاؤ کا سے کہوں من راتا پیو رنگ
اُلٹ سمانا آپ میں پڑ گئی جوت انت
صاحب سیوک ایک سنگ کھیلیں سدا بسنت
ہم باسی اُس دیس کے جہاں بارہ ماس بلاس
پریم جھرے، بگسے کنول، تیج پنج پرکاش

۵۴

پریم

پریم ہی سب کچھ ہے۔ کیا تم میں سچے پریتم کا پریم ہے۔ تم مُبارک ہو، پھر تم کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پریم میں ساری طاقتیں موجود ہیں۔ اس کو کسی کا خوف نہیں ہے۔ کفر و مذہب دونو کی اس کی نگاہ میں ایک سی حیثیت ہے۔ نہ اس میں تعصّب ہے، نہ مغائرت ہے۔ نہ خودغرضی ہے۔ نہ نفسیات ہے، نہ رنج ہے، نہ خوشی ہے۔ نہ وہم ہے۔ نہ بُطلان ہے۔ اے حقیقت کے جاننے والو! پریم ہی ایک چیز ہے۔ جس کے آنے سے اِنسان کا دل تمام خوبیوں کا بھنڈار بن جاتا ہے۔ پریم اِنسان میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے کہ جس کا شان و گمان تک نہیں رہتا۔ پریم فرشتہ کے درجہ سے بھی زیادہ بزرگی کا منصب عطا کرتا ہے اتنا ہی نہیں۔ پریم کی مدد سے انسان اصلی باپ کی گود میں پہنچ کر ہر قسم کی نیکی، گیان اور بُزرگی کا وارث ہوتا ہے۔ مگر اس پریم کی راہ میں قدم رکھنا آسان نہیں ہے۔ ؎

عشق کا گھر بُزدلوں پر وا نہیں ؎ کشادہ
عاشقوں کو زیست کی پروا نہیں
سر دیا ہے، جس نے پیا ہے جام عشق
حرص دنیا پھُونک کر، لو نام عشق
ایک سا ہے عشق کے ؎ نے کا خمار
عشق کے ؎ کا نہیں دیکھا اُتار

۵۵

سادھو کی پرارتھنا

پربھو! تو مجھ کو ایسی توفیق دے کہ میرا دل، میری زبان اور میرے ہاتھ تینوں تیرے حسب مرضی کام کریں۔ آج سے لے کر میری ساری زندگی اسی اُصول پر قائم رہے۔

پربھو۔ میں صرف تیرے پریم کا دم بھروں، جو کچھ میں سُنوں، جو کچھ میں دیکھوں، جو کچھ میں وچار کروں۔ ان سب میں تیرا پریم شامل رہے۔ جب میں جانوروں کو چہکتے ہوئے پاؤں، میرے دل میں یقین آوے کہ اُن کے الاپ میں تیرے پریم کا سوز ہے۔ گردش کرنے والے زمین اور ستاروں خوبصورت باغ۔ جنگل اور کہسار میں مجھ کو تیری عجیب صنّاعی کے دیکھنے اور غور کرنے کا تصور بندھا رہے۔

پربھو! جس غرض کو نگاہ کے سامنے رکھ کر تُو نے کائنات کو بنایا ہے۔ وہ غرض مجھ میں اور مجھ سے پُوری ہو۔ میں اپنے آپ کو تیرے ہاتھ کا اوزار سمجھوں۔ تاکہ خودی، خود پسندی اور خود بینی کا مرض مجھ کو کبھی نہ ستائے تیری اچھّا پوری ہو، تیری مرضی سب پر مقدّم ہو۔

پربھو! مجھ کو شانتی پروان کر۔ مصیبت میں، امتحان میں، سختی میں، دُنیا کے کاروبار میں مجھ کو شانتی حاصل رہے۔ دنیا کے سخت سے سخت معرکہ میں مصروف رہ کر میں شانتی کے ساتھ تیری غرض کو پورا کرتا رہوں۔ یہی تیرے چرنوں میں پرارتھنا ہے۔

۵۶

تمیز کا درجہ

ایک فلاسفر اپنے خیال میں محو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس سے ایک آدمی بھاگا ہوا گذر رہا تھا۔ اُس کے تعاقب میں ایک دوسرا شخص چلّاتا ہوا آرہا تھا۔ پکڑنا پکڑنا بھاگنے نہ پائے۔"

مگر فلاسفر نے اس کے شور کی طرف ذرا بھی توجہ دکی۔ وہ اس سے پاس آکر غصہ کے لہجے میں کہنے لگا: "بے وقوف تو نے اس کو کیوں نہیں پکڑا وہ قاتل ہے۔"

فلاسفر نے پوچھا "قاتل۔ تمہاری مراد اس لفظ سے کیا ہے؟"

اُس شخص نے جواب دیا "اس نے ایک آدمی کو مار دیا ہے۔"

فلاسفر بولا "ٹھیک۔ یہ فوجی سپاہی ہوگا۔"

اس آدمی کے پاؤں تلے آگ لگ گئی۔ غصہ میں آکر کہنے لگا۔ احمق قاتل وہ ہے جو امن وامان کی حالت میں کسی کو مار ڈالتا ہے۔

فلاسفر۔ واقعی وہ جلّاد ہے۔

"آدمی خبر دماغ۔ بے عقل، قاتل وہ ہے۔ جو کسی کو اُس کے گھر پر مار ڈالے۔"

فلاسفر" اچھا۔ تمہاری مراد حکیم اور ڈاکٹر سے ہے۔"

وہ شخص گھبرا گیا۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور قاتل کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

۵۷

دُنیا

دُنیا کی زبان سے چھُوٹنا بہت مشکل ہے۔ اگر تم چپ ہو تو مُنھ کہلاؤ گے، اگر بات کرتے ہو تو فضول گو کا لقب پاؤ گے۔ بہتر یہ ہے کہ سچائی کے ساتھ اپنے کام میں لگو اور یہ پرواہ نہ کرو کہ لوگ کیا کہیں گے یا کیا کہہ رہے ہیں۔ جس وقت تم اپنے کام میں کامیابی حاصل کر لو گے۔ یہ لوگ حیرت اور استعجاب سے تمہاری طرف نگاہ کریں گے۔

مگر کامیاب ہونے پر بھی تم کو اس اُصول کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ رہو۔ یہ تم کو ہمیشہ اپنے ناقص اور غیر مکمل پیمانہ سے ماپتی رہے گی۔ کبھی نادان، کبھی دانا بنا دے گی، کبھی خود غرض اور کبھی بے غرض بنا دے گی۔ تم آخر کیوں اپنے آپ کو اس کی رائے کے ماتحت بناؤ۔ سچائی کو لے کر سچے دل سے کام میں لگو۔ اور صرف پرماتما سے اور اپنے دل سے پوچھتے رہو کہ آیا تم حق پر ہو، یا ناحق پر ہو۔ اس عمل سے تمہارا بھلا ہوگا، اور جو بھُول کر کبھی آدمیوں کے ناقص رائے کی پرواہ کی تو پھر یاد رکھو، تمہارے نیچے گر جانے میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔

۵۸

نفرت اور محبّت

اگر کسی شخص سے نفرت کرتے رہو، تو یاد رکھو، وہ تمہارے

پاس واپس آئے گی۔ اور جس قدر تم اوروں کی بُرائی چاہتے ہو، اتنا ہی تمہارا نقصان ہوگا، تمہارے خیالات خراب ہوں گے، دل مشوش ہوگا اور تمہاری اپنی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ گھروں میں جب لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، تو مرد عورت ایک دوسرے سے بولنا چالنا بند کر دیتے ہیں۔ اُن سے پوچھو، کیا نفرت کا زخم تمہارے دل کو مجروح نہیں کر رہا ہے۔ کتنے آدمی ہیں، جو اس ناپاک عادت سے پریشان ہیں۔ نفرت کرنے سے انسان کی دِلی دماغی قابلیت کو سخت دھکہ پہنچتا ہے۔ اور اس کی انسانیت سے گر جانے کا ہمیشہ خوف رہتا ہے۔

بہتر ہے، جو تم کو نفرت کرتے ہیں، تم اُن کو پیار کرو، تمہاری زندگی اس سے خوش نما ہوگی، دل خوش رہے گا اور تم دیوتا بنتے جاؤ گے۔ حسد سے بچو، تم کو بدصورت بنا دے گا، اور دل کو ناپاک کر دے گا۔ محبت اور پیار سے، محبت اور پیار کے خیال سے تمہاری طرف آئیں گے، اور تمہارے دل کو پاک بنائیں گے۔ زندگی خوشی سے بسر ہوگی۔ ورنہ اس کے برعکس ہوگا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

جو تجھ کو کانٹے بوئے تا ہی بوئے تو پھول
تجھ کو پھول کے پھول ہیں وا کو ہیں ترسول

۵۹

جھوٹ

ایک پادری کا گزر چھوٹے لڑکوں کے گروہ میں ہوا۔ جو آپس میں کتوں کے لئے لڑ جھگڑ رہے تھے۔ اُس نے پوچھا، اس جھگڑے کا

کیا سبب ہے ؟ بچّوں نے جواب دیا " ہم لوگوں نے بازی بندھی ہوئی ہے۔ جو شخص سب سے بڑا جھوٹ کہے گا " یہ کُتّا اُس کو انعام ملے گا " پادری نے کہا ، کتنے افسوس کی بات ہے ۔ تم کو سچ بولنا چاہیئے نہ کہ جھوٹ ۔ جب میں تمہاری عمر کا تھا ، کبھی ایک جھوٹی بات بھی زبان سے نہیں نکالی " ابھی پادری نے مشکل سے اپنی بات ختم کی ہوگی کہ ایک کمسن لڑکا زور سے چلانے لگا " یہ کُتّا اِس پادری کو دے دو ۔ اس پادری سے زیادہ اور کسی کا استحقاق نہیں ہے ::

٦٠

حقیقت

ایک چنڈال کسی جانور کا گوشت لئے ہوئے جا رہا تھا سوامی شنکر آچاریہ گنگا سے اشنان کرکے واپس آ رہے تھے ۔ وہ چھُو گئے ۔ اور غصّہ میں آکر کہنے لگے " دیکھ تُو نے مجھ سے چھُو لیا ۔ چنڈال نے جواب دیا ۔ بھگوان ! نہ آپ نے مجھ کو چھُوا نہ میں نے آپ کو چھُوا ۔ آپ بہت لوگوں سے بحث و مباحثہ کرتے ہو ، آج مجھ سے بحث کر دو ۔ کیا تمہارا روپ ، من یا جسم بُدھی ہے ؛ سچ سچ آپ اِن میں سے کوئی نہیں ہے ، آپ جانتے ہیں ہم اور آپ دونوں آتما ہیں ۔ جس میں نہ ست ہے ، نہ رج ہے ، نہ تم ہے نہ مادہ ہے ۔ پھر میں نے کس کو چھُو لیا " شنکر آچاریہ نے اُس کو نمسکار کیا ۔

۶۱

گیان کا درجہ

بابو کیشب چندر سین اور پرم ہنس رام کرشن کے درمیان ایک مرتبہ وعظ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ پرم ہنس جی نے کہا۔ اگر تم رُوحانیت میں ترقی کرتے جاؤ اور اعلےٰ اصُول کی پیروی کے ساتھ اعلےٰ تعلیم دیتے جاؤ تو کوئی زمانہ آجائے گا جب تمہارا "سماج بنانے" کا خبط خود بخود دُور ہو جائے گا۔ جب اِنسان گیان کے درجہ میں پہنچنے لگتا ہے۔ اس قسم کا خیال کبھی اس کو نہیں ستاتا، اور نہ وہ اس کی فکر میں رہتا ہے۔

۶۲

معراج

جب انڈا پھُوٹ جاتا ہے۔ پرند باہر آکر آسمان کی طرف اُڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان اپنی ذات کو اور اس مادی جسم کو سمجھ جاتا ہے اس کے دل سے سنسکار کا خیال دُور ہو جاتا ہے اور آتما پرماتما رُوپی آکاش میں اُڑ کر عجیب وغریب حالت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

۶۳

اصلیّت

مندودری راون کی رانی تھی۔ جب وہ سیتا کو ہر لایا اور سیتا اس

کے ساتھ رہنے کو راضی نہیں تھی۔ مندودری نے کہا" تُو رام کی شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتا۔ تاکہ سیتا کو دھوکا ہو جائے اور تیرے ساتھ رہنے میں عُذر نہ کرے "

راون نے کہا۔ چھی۔ چھی! یہ تو کیا کہتی ہے۔ اگر میں رام کی صورت کا بن جاؤں تو پھر بھوگ بلاس کا خیال کہاں رہے گا اور سیتا کیسے اعتبار کرے گی۔ کیونکہ رام میں نفسیانیت نہیں ہے اور وہ بہشت تک کے سُکھ کی خواہش نہیں رکھتے۔ رام اور سنسار کا بھوگ دلاس۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا"

(۶۴)

غُصّہ

دو سادھو راہ میں چلے جاتے تھے۔ دونو شانت تھے۔ دونو کو غصّہ نہیں آتا تھا۔ سبب پُوچھنے پر ایک نے کہا" میں اس لئے غصّہ نہیں کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد مجھ کو پچھتانا پڑے گا۔ دوسرا بولا" مجھے اس وجہ سے غصّہ نہیں آتا کہ اس سے میرے چت کے بگڑ جانے کا خوف رہتا ہے۔ میں جان گیا ہوں۔ غصّہ کرنے سے کمزور ہو جاؤں گا اور دشمن مجھ کو مغلوب کریں گے۔

(۶۵)

پیاری موت آجا

آموت جان میری آفت میں مُبتلا ہے ؛ جھگڑے بپا ہیں ہر سو سر پہ کھڑی بَلا ہے

آرام جان جانان، راحت دل و جگر کی ؛ زخموں کی تو ہے مرہم وارد ہے درد سر کی
تجھ سے نجات ملتی ہے رنج سے الم سے ؛ تو دیتی ہے رہائی دکھ درد اور غم سے
عابد فقیر زاہد، ہر اک ہے تیرا شیدا ؛ خواہش ہے سب کو تیری، سب میں ہے تیرا چرچا
آرام کر حلا را، پردہ ذرا اٹھا دے ؛ جسکی ہوس ہے صورت اسکی مجھے دکھا دے
اے موت! جلد آجا دے ہم کو زندگانی ؛ تیرے طفیل پائیں ہم عیش و کامرانی
آسائش و دگیتی اے موت! نام تیرا ؛ دکھ درد سے بچانا ہے موت کام تیرا
مادر کی طرح شفقت ہے گود میں اٹھا لے ؛ منجدھار میں پڑے ہیں گرداب سے بچا لے

کشتی شکستگانیم اے باد شرط برخیز
باشد کہ باز بینیم آں روئے فرحت انگیز

(۶۶)

موت خوف کی حالت نہیں ہے!

کبیر صاحب فرماتے ہیں:

جا مرنے سے جگ ڈرے مو ہی بڑا آنند
کب مر ہوں کب پا یہوں پورن پرم آنند

ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے:

دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن
بہ قدر ہر سکون راحت بود بنگر مراتب ہا

۶۷

تندرستی کے احکام

مادہ کو رُوح پر کبھی ترجیح مت دو۔ کیونکہ رُوح غیر تبدیلی پذیر ہے۔ مادہ ہے۔ مادہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔

مادہ کی پرستش نہ کرو۔ ورنہ تم آتم گھاتی کہلاؤ گے اور رُوحانیت تم سے کافور ہو جائے گی۔

رُوحانی باتوں پر بہت زیادہ بحث مباحثہ نہ کیا کرو۔ بھونکنے والے کتے کم کاٹتے ہیں۔ صرف کام کرو۔ اور کام کے ذریعہ ایشور میں اپنے وشواش کا یقین دلاؤ۔

خوف کبھی نہ کرو۔ کیونکہ تم آتما ہو۔ جسم نہیں ہو۔ آتما کو کس کا ڈر ہے۔ وشواش رکھو۔ زندگی کی طرف سے نااُمید نہ بنو۔

تمام کائنات میں روح ہی محیط ہے۔ اس کی تعظیم کا خیال دل میں رکھو۔ قانون۔ انقلاب، فکر و تردّد کی نسبت ہمیشہ سوچتے رہنا نادانی ہے۔ یہ سب تبدیل ہونے والے ہیں۔ تبدیل ہونے والوں کی نسبت فکر کمتی یہ کسی نہ کسی دن خود غائب ہو جائیں گے۔ اگر غور کرنا ہو، تو اپنی ذات پر غور کرتے رہو۔

بُرے خیالات کو دل میں نہ آنے دو۔ پھر بھی تم بُرے کام نہ کرو گے۔ جو نیک خیال والے ہیں۔ وہ خونی جلّاد یا بیرحم ظالم نہیں بنتے۔

سب کی بھلائی پر نگاہ رکھو، تاکہ عمر زیادہ ہو، اور سکھ سے زندگی بسر کر سکو۔

عقل کی عزّت کرو اپنے اوپر بھروسہ رکھو۔ دُوسروں کی رائے پر کام نہ کرو۔

نہ ہمیشہ ذاتی معاملہ میں کسی کی رائے لیا کرو۔ تم میں بھی تو آخر عقل ہے۔
یہ کبھی خیال نہ کرو کہ دنیا کی کوئی چیز تم کو خوش کر سکے گی۔ خوشی نہ دولت میں ہے۔ نہ شہرت میں نہ عزت میں، نہ کھانے میں، نہ پینے میں۔ نہ پہننے میں، نہ من میں، دوسروں کے خیالات ٹھونسنے میں ہے۔ بلکہ اپنے اندر وچارنے میں ہے۔ خوشی صرف تمہارے من کی بہتر حالت میں ہے۔ اس لئے اپنے من میں خوش رہنے کا تصوّر کیا کرو۔ اور تمہارا بھلا ہوگا۔

۶۸

ہر سرے بر سودائے

کسی مشن سکول میں ایک پادری صاحب نے بہشت کی خوبیوں پر وضاحت سے لیکچر دیتے ہوئے لڑکوں سے کہا: "جن لڑکوں کو بہشت میں داخل ہونے کی خواہش ہو۔ وہ جھٹ پٹ کھڑے ہو جائیں"۔ ننانوے فیصدی سے زیادہ لڑکے اُسی وقت کھڑے ہو گئے۔ مگر ایک بہت کمسن لڑکے نے پادری صاحب کی آستین پکڑ کر کہا: "نہیں نہیں۔ ابھی نہیں۔ اتنی جلدی نہیں پہلے میں بندر کا تماشہ دیکھ لوں گا۔ تب بہشت میں چلوں گا۔ بندر والا آج شام کو میرے محلہ میں آئے گا۔ اس واقعہ پر حاشیہ چڑھانے کی ضرورت ہے؟

۶۹

دُنیا کے مُعلّم

دنیا میں مختلف قسم کے مُعلّم ہیں۔ سب سے پہلا درجہ ان کا ہے جو خاموش رہ کر، صرف اپنے سکوت اور خاموشی سے تعلیم دیتے ہیں۔ اُن کی تعلیم سب

سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، دوسرے وہ جو زبان کو قابو میں رکھ کر صرف نیک کام کرتے ہوئے اپنے عملی مثال سے سبق دیتے ہیں۔ اس قسم کے اُستاد کسی پنتھ یا طریق کے بانی نہیں ہوتے۔ تیسرے وہ ہیں جو نیک کام بھی کرتے ہیں۔ اور نیکی کی ہدایت بھی کرتے رہتے ہیں۔ دنیا کے مختلف طریق کی ابتداء ایسے ہی بزرگوں کی ذات سے ہوتی ہے۔ چوتھے وہ ہیں، جو صرف زبانی جمع خرچ سے دنیا کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس آخری درجہ کے مُعلّم واچک گیانی کہلاتے ہیں۔ یہاں اور ان ہی سے رِیاکاری کی ابتداء ہوتی ہے۔

تم کس درجہ کے مُعلّمین سے تعلیم پانے کے خواہش مند ہو؟

اس بوریا نشین کا دلائیں مُرید ہوں
جس کے دامن زہد میں بُوئے رِیا نہ ہو

(۷۰)

موقع و محل

دو امریکن چھوٹی کشتی پر سوار تھے۔ ان میں سے ایک عورت تھی۔ دوسرا مرد تھا۔ دونوں نوجوان تھے۔ اور کسی حد تک ایک دوسرے کے چاہنے والے تھے۔ سمندر میں طوفان آگیا۔ جواں مرد جانتا تھا کہ خطرہ میں اور مصیبت کے وقت عورت اس کے گلے کا ہار بن جائے گی اور اسکو اس کی وجہ سے کشتی کے کنارے تک پہنچانے میں ناکامیابی ہو گی۔ اس لئے اس نے موقعہ دیکھ کر کہا "تم جہاں بیٹھی ہو، وہاں سے جنبش نہ کرو" یہ بات ایسے وحشیانہ لہجہ میں کہی گئی تھی کہ عورت چونک پڑی اور حسرت و رنج کے ساتھ کہنے لگی: "میں نہیں جانتی کہ تم ایسے بد تہذیب ہو، ورنہ کبھی تمہارے ساتھ نہ آتی"

مرد نے مطلق اُس کی طرف التفات نہیں کیا۔ ہاتھ میں ڈانڈے لے کر کھیلنا شروع کیا۔ سمندر کی لہریں اس قدر بلند ہوئی گئیں کہ آسمان سے باتیں کرنے لگیں، دونوں پانی کے طمانچوں سے پریشان ہو گئے۔ کشتی کبھی اِدھر کبھی اُدھر کروٹیں لیتی رہی۔ مرد تو مستعدی سے اپنا کام کرتا رہا۔ عورت مغموم ہو کر چپکی اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ آخر بہ ہزار دقت وہ کشتی کو کنارے لایا۔ تاہم آتے آتے وہ الٹ گئی اور وہ بے ہوش و نیم جان عورت کو گود میں اُٹھا کر اس کے رشتہ داروں کے سپرد کیا۔

عورت کو مرد کی سخت کلامی کا اس قدر رنج تھا کہ وہ کئی دنوں تک نہ تو خود اُس سے ملی، نہ اُس کے اپنے پاس آنے کا موقعہ دیا۔ اتفاق سے اُس کے باپ نے اس کا سبب پوچھا۔ اور جب عورت نے اسکی بدتہذیبی کی شکایت کی، تجربہ کار باپ نے ہنس کر کہا، وہ بداخلاق نہیں ہے، بلکہ حد درجہ کا موقعہ بین ہے۔ اگر اُس نے ایسی بات نہ کہی ہوتی۔ تو تم عورتوں کی عادت کے موافق خطرہ کے وقت اس سے لپٹ جائیں اور دونو پانی میں ڈوب جاتے۔ اس کی باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ تم کو خطرہ کے وقت اس سے لپٹنے کا موقعہ نہیں ملا، اور وہ تم کو جان جوکھم سے بچا لایا۔ اس قسم کے موقعہ بین انسان مشکل سے دنیا میں ملتے ہیں،"

عورت بہت متاثر ہوئی، پھر وہ دونو پہلے کی طرح ملنے جُلنے لگے اور اُن کی شادی ہو گئی۔

(۷۱)

خطرناک آدمی

سماجوں کے اُپدیشک، دوا فروش حکیم، عدالتوں کے وکیل و بیرسٹر پولیٹیکل ایجی ٹیشن مچانے والے، پولیس کے اہلکار، قصاب، تمباکو فروش، دکاندار وغیرہ اس وقت اپنی ذات کے لئے بالخصوص بہت ہی زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں۔ جب یہ خود غرضی یا روپیہ کے لالچ میں آ کر کام کرنے لگتے ہیں۔ دنیا کو تو چاہیے۔ یہ اس قدر نقصان نہ بھی پہنچا سکیں۔ مگر افسوس یہ سب کے سب روز بروز زہلا استے' اخلاقی موت مرے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان کے نجات کی صورت نہیں نظر آتی۔ خود کشی کرنا جرم ہے، گورنمنٹ نے خودکشی کرنے والوں کے لئے قانون کا شکنجہ بنا رکھا ہے، مگر ان اخلاقی خودکشی کرنے والوں کے لئے کوئی بھی قانون نہیں ہے۔ یہ ان بازاری عورتوں سے بھی زیادہ زہریلے ہیں۔ جو مخرب الاخلاق کہی جاتی ہیں :۔

(۷۲)

سکھ سردار کیوں کہلاتے ہیں؟

اکثر غیر ملک کے آدمی جب پنجاب میں آتے ہیں۔ چھوٹے موٹے سکھوں کو بھی سردار کے نام سے پکارے جانے پر تعجب کرتے ہیں۔ آخر ان سکھوں نے کیا کام کیا ہے جو سب کے سب سکھ کہلاتے ہیں، اوروں کو چاہے تعجب ہو مگر ہم کو کوئی تعجب نہیں ہے، ہم جانتے ہیں یہ کیوں سردار کہلاتے ہیں اور ہماری سمجھ میں یہ اس کے مستحق بھی ہیں۔

جب گورو گوبند سنگھ جی نے نئے سرے سے خالصہ پنتھ کا سنسکار کرنا چاہا۔ اپنے شاگردوں سے جس چیز کی پہلے درخواست کی تھی، وہ ان کا سر تھا۔ اور اُن کے سکھ جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے سروں کو گورو کے قدموں پر جھکا دیا۔ اسی طرح جب جب ان کے سروں کی ضرورت پڑی، یہ خوشی خوشی سر دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ جو چیز جس کے پاس ہوتی ہے، اُسی کی اُس سے خواہش کی جاتی ہے۔ ان سکھوں کے پاس ان کے سر موجود تھے، جو ہر وقت گورو پر اور گورو کے نام پر فدا کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے، اس لئے یہ سردار کہلاتے تھے۔ جو سر نہیں دے سکتے، نہ وہ سردار ہیں، نہ سر والے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف گورو نانک کے لاڈلوں کو عطا کی گئی تھی،

کبیر صاحب فرماتے ہیں:۔

سر راکھے سر جات ہے، سر کاٹے سر سوئے ¹ (¹ زیب پاتا)
جیسے باتی دیپ کی کٹ اجیاری ہوئے

جو لوگ قربانی قربانی کی ناحق صدائیں بلند کرتے ہیں اور اصلی ایثار نفس اور "تپ" کے نام سے واقف نہیں، وہ آ کر دیکھیں، سکھ کس طرح قربانیاں کرتے تھے۔ سچا مذہب صرف وہ ہو سکتا ہے، جو انسان کو حقیقت کی راہ بتا کر اس کو دھرم کے نام پر ہمیشہ بلیدان ہونے کے لئے تیار رکھے جس میں یہ خوبی نہیں ہے، وہ محض کتابی اور زبانی دھرم ہے۔ اس میں کبھی سردار نہ پیدا ہوں گے۔ اور نہ پیدا ہونے کی اس سے اُمید کرنی چاہیئے

۷۳

مقدس سایہ

مدت گزری کسی بہت بڑے سنت کی پاکی اور بزرگی کو دیکھ کر خدا کے فرشتوں کو سخت متحیر ہونا پڑا۔ یہ سادھو جہاں جاتا تھا، صبر و برکت پھیلاتا تھا، اور لطف یہ کہ اُس کو اپنی بزرگی کا مطلق علم نہیں۔ جیسے گلاب کی خوبصورت پنکھڑیاں بغیر جانے ہوئے اپنی آسمانی خوشبو سے لوگوں کے دماغ معطر کرتی رہتی ہیں۔ اُسی طرح یہ بزرگ بھی اپنے قول و فعل اور خیال سے بندگانِ خدا کا بھلا کرتا تھا۔ اس کا اس اصول پر عمل درآمد تھا۔ ؎

لینے کو ست نام ہے، دینے کو اَن دان
ترنے کو ہے دینتا، ڈوبن کو ابھمان

فرشتوں نے خدا سے کہا "یا خدایا! اس بزرگ کو کرامات کرنے کی طاقت عطا فرما"

خدا نے کہا "بہت اچھا۔ مگر پہلے اس فقیر سے بھی تو پوچھ، دیکھو وہ سدھی شکتی چاہتا بھی ہے یا نہیں۔"

فرشتے اس کے پاس آ کر کہنے لگے "کیوں جی! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاتھ کے لگنے سے مریض اچھے ہو جائیں"

سنت نے کہا "نہیں میں چاہتا ہوں، یہ کام خود خدا ہی کیا کرے۔"

"پھر کیا یہ تم کو منظور ہے کہ تمہارے اُپدیش سے گنہگار آدمی نیک بن جائیں؟"

"نہیں" یہ فرشتوں کا کام ہے میں صرف دعا مانگتا ہوں۔ میں بڑوں

کو نیک نہیں بناتا۔"

فرشتوں نے تیسری دفعہ پوچھا "کیوں! کیا تم نہیں جانتے کہ تم صبر و استقلال اور دانائی کے نمونہ بن جاؤ۔ تاکہ انسان تمہاری مثال سے نیک ہوں، اور تمہاری زندگی خدا کی ستائش کا ذریعہ بنے؟"

سنت نے جواب دیا "نہیں۔ میں نہیں چاہتا۔ آدمی میری طرف رجوع کریں۔ میری خواہش ہے، وہ پرماتما کی طرف جھکیں۔ میں اُن کا دل کبھی خدا کی طرف سے نہ پھیروں گا۔ خدا کو طاقت ہے، وہ اپنی ستائش کے اور ذریعے پیدا کر لے۔"

فرشتے گھبرائے: "پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

سنت ہنسا "میں کس بات کی خواہش کروں، مجھ پر خُدا کا فضل ہے اُس کا دیا ہوا سب کچھ میرے پاس ہے۔"

فرشتوں نے کہا "تم کسی قسم کی کرامات کی خواہش کرو۔ ورنہ وہ مجبوراً تم کو دی جائے گی۔"

سنت بولا۔ بہت اچھا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا سایہ پڑے، وہاں خیر و برکت کے کرشمے پیدا ہوں۔ لیکن میں ہمیشہ اُس سے ناواقف رہوں۔"

فرشتے سخت پریشان و حیران ہوئے۔ آخر آپس میں مشورہ کرکے یہ تجویز نکالی کہ جہاں کہیں اس سنت کا سایہ پڑے وہ اس کو دیکھ نہ سکے، مگر سایہ کے پڑتے ہی بیماروں کو صحت، فکرمندوں کو تسلی مضمحل طبیعتوں کو آرام عطا کیا جائے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ جہاں کہیں دائیں بائیں آگے پیچھے اس فقیر کا سایہ پڑا۔ وہیں سوکھا ہوا درخت لہلہا اُٹھا۔ جلی ہوئی گھاس تر و تازہ ہو گئی۔

خشک نہروں میں پانی آگیا، مرجھائے ہوئے پچے پنپ اُٹھے، نااُمید عورتیں خوش ہوگئیں۔

مگر سنت اپنا روزانہ کام حسب معمول کرتا رہا۔ جیسے سورج اپنی روشنی بکھرتا ہے۔ ویسے ہی وہ ہر چہار طرف خیر و برکت پھیلاتا رہا، مگر اس کو ذرّہ بھر بھی اس کا علم نہیں تھا۔

لوگ اس کی منکسرالمزاجی کی تعظیم کرتے۔ خاموشی کے ساتھ اس کے پیچھے رہتے، اور اس کے کراماتی اثر سے فائدہ اُٹھاتے رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اس کا نام بھی بھول گئے اور سب اُس کو مقدّس سلیمہ" کے مہمل خطاب سے مخاطب کرنے لگے۔

۷۴

ہر کسے ناصح برائے دیگراں

ایک کمسن مگر شریرالنفس وزبان دراز لڑکا اپنے سے زیادہ عمر والے کے ساتھ شرارت کر رہا تھا۔ اس کے باپ کو اس کا ڈھنگ پسند نہیں آیا۔ لڑکے کو سخت وسست سنا کر کہنے لگا۔ اے بے وقوف احمق و نادان! اخلاق کیوں نہیں سیکھتا؟"

لڑکے نے زور سے قہقہہ مار کر جواب دیا۔" پتا جی! میں تو بیوقوف احمق و ناداں ہوں۔ میرا قصور قابلِ معافی ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ دانا بزرگ اور ہمہ دان ہو کر بھی تو اپنی عملی مثال سے مجھ کو اخلاق و تہذیب نہیں سکھاتے۔

ماں باپ جب تک خود اچھے نہ ہوں۔ اُن کو لڑکوں کے نصیحت کرنے

کا کیا حق ہے؟

(۷۵)

میرا، تیرا، پنا

خودی، خود بینی، خود غرضی، خود پسندی۔ یہ سب باتیں اِنسان کے اندرونی سفلی جذبات کے عکس ہیں۔ جو زیادہ میرا تیرا کرتا رہتا ہے۔ سمجھ لو، اس کو اب تک انسانیت کے درجہ میں ترقی نہیں ہوئی۔ اور نہ وہ روح کے بلند طبقہ کے قابل بنا ہے۔ میرا مذہب، میرا خدا، میرا گورو یہ سب اصطلاحات بھی ویسے ہی حقیر اور پوچ ہیں۔ جیسے میرا لڑکا، میری جائداد وغیرہ۔ جب تک آدمی اس طرح کے خیال سے اُونچا نہیں آتا، تب تک اس کے لئے مذہب کی تعلیم بالکل بے معنی ہے، جو نیک کام کرتے ہوئے اپنی نیکی کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کے لئے بھی وہ نیکی اس قدر برکت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جہاں میرا، تیرا، پنا رہتا ہے۔ وہاں ہی دوزخ کی آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آویں گے۔

قحط کے دنوں میں ایک شخص نے بھوکے آدمی کو ایک بڑی مُولی دان دی۔ اُس نے آسودہ ہو کر کھا لیا۔ دان دینے والے کو دعائیں دیں۔ یہ شخص بہت بڑا آدمی تھا۔ جب یہ مر گیا۔ جم کے دُوت اُسے پکڑنے آئے تاکہ نرک میں لے جا کر ڈال دیں۔ مگر جب اس کی رُوح قبض کی گئی۔ وشنو کے دُوت بھی آ پہنچے۔ کہنے لگے۔ یہ شخص نیک ہے، ویکنٹھ کو جائے گا۔ نامۂ اعمال پیش ہوا۔ فریقین کے درمیان بحث مباحثہ شروع ہوا۔ واقعی اُس نے اپنی مُدت العمر میں سوا ایک مولی کے دان کے اور کچھ خیرات نہیں کیا تھا۔ وشنو

کے دُوت نے کہا ''خیرات کی یہی ایک مثال اُس کے ویکنٹھ میں لے جانے کے واسطے کافی ہے''۔ مگر جم کے دُوتوں نے کہا ''ننانوے کے ۲ وپلّے ہیں۔ دیکھو کون نیچا اور کون اُونچا ہے؟'' غرض کہ ان کا جھگڑا طے نہیں ہوا۔ آخر جم اور وشنو کے دربار میں مقدمہ رجوع کیا گیا۔ وشنو نے کہا، یہ جھگڑا فضول ہے انسان خود اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کیا کرتا ہے۔ اس کو آزاد کر دو۔ دیکھو وہ کدھر جاتا ہے۔

آدمی چھوڑ دیا گیا۔ اس کے ہر چہار طرف تاریکی تھی۔ کیونکہ بدکاریوں کے تاریک بادلوں نے روشنی کو ڈھک دیا تھا۔ صرف اُوپر کی طرف روشنی تھی۔ اور ایک سفید، چمکتی ہوئی مُولی اُس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ آواز آئی۔ مُولی کو پکڑ لے، ویکنٹھ کو چل''۔ اُس نے مُولی پکڑ لی، مگر اُس وقت مُولی پر اس بھُو کے آدمی اور اس کے متعلقین نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ جس کو مُولی کا دان دیا گیا تھا۔ کیونکہ اچھا دان دانی اور لینے والے دونوں کو بھوساگر سے پار کر دیتا ہے۔ مُولی ان سب کو اُوپر کی طرف کھینچ کر لے چلی۔ جب کچھ دیر یہ سب اُوپر چڑھے۔ اس آدمی نے کہا ''واہ! مولی تو میری ہے۔ تم کو کیا استحقاق ہے کہ اس کو ہاتھ لگاتے ہو۔ میں نے ہی تو دان دیا تھا۔

یہ لفظ ابھی بمشکل اس کی زبان سے نکلے تھے، کہ تڑاقے کی آواز پیدا ہوئی مُولی دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئی۔ آدمی نیچے کی طرف گرا اور جم کے دُوت اُسے نرک میں لے گئے۔

میرا تیرا کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ پڑھنے والو! تم اس قصے سے سچائی کا سبق سیکھو۔

سچّے انسان کا موکش اور بندھن

گورو ہرگو بند صاحب کو جہانگیر نے گوالیار کے قلعہ میں قید کر رکھا تھا۔ یہ بیچارے بارہ برس تک وہاں پڑے رہے۔ آخر لاہور کے ایک مشہور صوفی فقیر میاں میر صاحب مرحوم نے بادشاہ سے کہا "آپ نے گورو ارجن دیو کو تکلیف دے کر قتل کرایا اور گورو ہرگو بند جی کو ناحق بلا قصور قید کر رکھا ہے۔ ایسا نہ ہو، اس کا نتیجہ تمہارے حق میں ناقص ہو"۔

بادشاہ ڈرا۔ وزیر کو گوالیار بھیجا کہ ہرگو بند جی کو نجات کی خوشخبری سنائے۔ ہرگو بند جی ہنسے "میں قید کب تھا کہ مجھ کو تو چھڑانے آیا۔ میں تو ہمیشہ سے جیون مکت ہوں۔ خیر اگر یہ منظور ہے کہ میں قلعہ سے باہر نکلوں تو میرے ساتھ ان پانچ سات ہزار راجپوتوں کو بھی باہر نکلنے کی اجازت ہونی چاہیئے کیونکہ جب کبھی کوئی فقیر قید میں آتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ قیدیوں کی نجات کا ذریعہ بنے۔ اگر ان کو بھی رہائی کی اجازت ہے تو خیر۔ ورنہ ہم بھی آزاد ہوتے ہوئے قید میں پڑے رہیں گے"۔

دہلی خبر بھیجی گئی۔ حکم ہوا جتنے آدمی گورو کا دامن پکڑ سکیں۔ سب ساتھ ساتھ باہر چلے آئیں۔ گورو ہرگو بند جی نے کئی تھان کپڑے کے منگوائے۔ بہت بڑا لمبا چوڑا جامہ بنوایا اور بندھن والے جیووں کے اُپکار کے لئے اس کو پہن لیا۔ قلعہ میں کوئی بھی آدمی نہیں رہا جو گورو صاحب کے دامن سے نہ لٹکا ہو۔ اور اس طرح سب ہنستے کھیلتے ہوئے قلعہ سے باہر آئے۔

نجات کا وعظ سُنانے والو! سادھو کا بندھن اور موکش یہ ہے:-

(۷۷)

میرا مذہب، میرا اصول

لندن کے کسی محلہ میں ایک دولت مند موچی رہا کرتا تھا۔ جو اپنے مذہب کا پکا و کٹر حامی تھا وہ چاہتا تھا۔ سب لوگ اس کے مذہب اور اس کے اُصول کی پیروی کریں، اور اس لئے جب وہ کسی سے ملتا، اپنے طریق کی تعریف اور دوسروں کی مذمت کیا کرتا۔ کسی کو بت پرست کہتا۔ کسی کو دہریہ بتاتا۔ کوئی اُس کی نگاہ میں نادان تھے۔ کوئی باطل پرست تھے۔ اس شخص نے غریب ہمسایوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ زبان کا اتنا طرار تھا کہ کوئی اُس پر غالب نہیں آسکتا تھا۔

اس محلہ کے ایک رئیس نے اُس کو بُلا بھیجا۔ جب وہ آیا۔ رئیس نے ایک جوتے کا نمونہ دے کر کہا۔ "اس قسم کا جُوتا بنانا ہے"۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ میں جوتا بنا لوں گا۔ اس کی قیمت پانچ شلنگ ہوگی۔ رئیس نے کہا۔ "قیمت کے لئے کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر بات یہ ہے۔ اسی لمبائی چوڑائی کا جوتا میرے لئے ہو، میرے لڑکے کے لئے ہو۔ اور ایسے ہی میری بیوی کے لئے ہو"

موچی گھبرایا "خداوند! آپ نے آج کہیں زیادہ مقدار میں شراب تو نہیں پی لی۔ معمولی عقل کہتی ہے کہ سب کے پاؤں کے جوتے ایک سے نہیں ہو سکتے۔ آپ کی بیوی کا پاؤں بارھواں ہے۔ آپ کا سولھواں ہے، بچگانے جوتے چھوٹے ہوتے ہیں۔ بھلا میں سب کے پاؤں کے جوتے ایک انداز کا جوتا کیسے بنا سکوں گا؟"

رئیس خاموشی سے کچھ دیر اس کی بات سُنتا رہا۔ پھر غصّہ اور ترش روئی کے لہجہ میں جواب دیا۔ "نادان موچی! تو نے تمام محلہ والوں کے ناک میں دم کر رکھا ہے، تو کہتا ہے کہ سب تیری ہی اُصول کی پیروی کریں۔ حالانکہ سب کی طبیعتیں جدا گانہ ہیں۔ اگر سب کے لئے ایک ہی مذہب موافق آسکتا ہے، تو ایک ہی ماپ کے جوتے بھی سب کے لئے موافق ہوں گے۔

موچی پاؤں پر گرا "میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ اب آج سے کبھی مذہبی معاملات میں چھیڑ چھاڑ نہ کروں گا۔ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود کے مسئلہ کا پابند رہوں گا۔"

پڑھنے والو! کیا اس قصّے کے نتیجہ سے تمہارا بھی اتفاق ہے؟

(۷۸)

کیوں کیسے پکڑے گئے

ایک کاریگر اپنے فن کا بڑا ماہر تھا وہ اس طرح چیز بناتا تھا کہ نقل کو اصل سے تمیز کرنا بڑا مشکل تھا۔ جب موت کے دن نزدیک آئے۔ اُس نے غور کیا، کسی طرح جم کے دُوتوں کو دھوکا دینا چاہیئے۔ آخر سوچ وچار کر اُس نے اپنی شکل کے پانچ سات بُت تیار کئے۔ اور سب کو ایک ساتھ ایک جگہ پر قائم کر دیا۔ جب جم کے دُوت رُوح قبض کرنے آئے۔ اِن کو سخت حیرت ہوئی ایک ہی شکل وصورت کے مختلف و متعدد آدمی موجود تھے، کس کو چھوڑیں، کس کو لے جائیں۔ قدرت میں کوئی دو چیز ایک شکل کی نہیں ہیں۔ اور جگہ تو وہ بآسانی اپنا کام کر لیتے تھے مگر یہاں ان کی دال نہ گل سکی۔ پریشان ہو کر جمراج کے پاس واپس گئے اور اپنی قابلیت کا دُکھڑا کہہ سُنایا۔ جمراج

نے اُن کے کان میں جھک کر کہہ دیا۔ وہ پھر اس کاریگر کے پاس آئے اور حیرت کی نگاہ سے دیکھ کر کہنے لگے "واہ وا! کیا کاریگری ہے۔ کاریگر کا ہاتھ چوم لینا چاہیئے۔ مگر افسوس ایک نقص رہ گیا"۔ خود پسند نادان کاریگر جذبہ میں آکر بول اُٹھا "وہ کیا نقص ہے"۔ اور اُسی وقت جم کے دُوت نے اس کے گلے میں رسّی ڈال دی"

گلہ کیوں کرتی ہے اے بلبلِ نادان ہر دم
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

(۷۹)

گورو گوبند سنگھ جی کی تعلیم

ہندوستان میں گورو گوبند سنگھ ہی غالباً ایسے بزرگ گزرے ہیں، جن کی تعلیم میں حد درجہ کی رعُونت، خودداری اور اپنے قوتِ بازو پر بھروسہ رکھنے کا مادہ موجود ہے۔ جس وقت آپ نرائنا میں پہنچے، جو جے پور کے علاقہ میں ہے اور جہاں دادو پنتھیوں کا اکھاڑہ ہے۔ اس پنتھ کا مہنت ان سے ملنے کے لئے آیا۔ بات چیت کرنے کے بعد اُس نے دادو صاحب کی تعلیم کے اظہار کے خیال سے چند دوہے گورو صاحب کو سُنائے۔ انہوں نے سب کی اصلاح کی، اور کہنے لگے۔ یہ خیال گو پہلے زمانے کے لئے اُچھا رہا ہو۔ مگر اس کا نتیجہ ناقص ہو رہا ہے، اس لئے اس میں تبدیلی کر دینی چاہیئے۔ جو لوگ متقضاء وقت کو نہیں دیکھتے اپنا اور اپنے ملک والوں کا نقصان کرتے ہیں۔ دادو پنتھیوں نے گورو گوبند سنگھ کے دوہوں کو بھی اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔ اُن میں سے دو ایک بطور دعوے نمونہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں:-

دادو صاحب — دادو دعوے دور کر، بِرد عوے دن کاٹ
کیتی سوداگر گئے، پنساری کے ہاٹ

گوبند سنگھ صاحب :- دادو دعوے آو کا. نر دعوے کیا
دل کی دُرمت دُور کر، سودا کر ایسا
دادو صاحب :- جیوت ماٹی ہو رہو. سائیں سنمکھ ہوئے
دادو پہلے مر رہو. پیچھے مرے سب کوئے
گوبند سنگھ صاحب :- جو جیوئے بنیے نہیں جو بنسے نہیں سانچ
دادو دُکھ سُکھ پیر سہر و نہیں سانچ کو آنچ

(۸۰)

آتما کا انبھو

کس کی خوشی اور ناخوشی ہے کس کی
بیہوشی کس کی باہشی ہے کس کی
ہم اپنے میں رہتے ہیں ہمیشہ سرشار
دُوری کس کی ہم آغوشی ہے کس کی
میدانوں کے جنگلوں کے منظر دیکھے
گُل و گلشن و نخل و برگ و اشجر دیکھے
دریا کی روانی اور پہاڑوں کی فضا
ہر ایک میں جلوے اپنے یکسر دیکھے
جبروت بھی ہم ہیں اور لاہوت بھی ہم
ناسوت بھی ہم ہیں اور ہیں ہوت بھی ہم
آباد و عدم کا وہم بھی ہے ہم میں
جن و انس بھی ہم ہیں اور ملکوت بھی ہم
ہم بد نہیں نیک بھی نہیں ہیں صاحب
ان دونوں سے اُونچے ہم کہیں ہیں صاحب
رہتے ہیں جہاں وہاں کی کس کو خبر ہے
اُس جا نہیں پانی اور زمین ہیں صاحب

(۸۱)

قید و آزادی کا ایک نرالا سبق

رشی کیش جاتے وقت میں لالہ تیج بھان جی کو کہہ گیا تھا. کہ باغ کی خبر داری

کرنا۔ درخت ضائع نہ جانے پاویں۔ گرمی انتہا کی پڑی تھی جب درخت سوکھنے لگے۔ تب بھان جی نے گملوں کو اُٹھا کر برآمدہ میں رکھوا دیا۔ تاکہ دھوپ کی سختی اُن کو جھلس نہ سکے۔ کچھ تو درخت خشک ہو گئے۔ باقی اور سب بچ رہے میں نے جب واپس آکر ان کو دیکھا۔ میرے باغ لگانے کے شوق کو ایک طرح کا صدمہ پہنچا۔ سایہ دار اور تنگ جگہ میں رہنے کی وجہ سے گو یہ درخت زندہ ضرور تھے۔ مگر اُن کی حالت نفرت ناک تھی۔ ان کی سبزی کو دیکھ کر دل میں کراہیت پیدا ہوتی تھی۔ میں نے سمجھا۔ شاید اب درخت و سبزی لگانے کا جنون میرے دل سے ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے گا مگر نہیں برسات کا خوشگوار موسم آگیا۔ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چاروں طرف چھا گئیں۔ درخت برآمدہ سے نکال کر صحن کی کھُلی ہوا میں رکھ دیئے گئے۔ شروع شروع دو چار روز تک ان کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔ مگر جب متواتر کئی دن ان کو کھلی ہوئی جگہ کی آب و ہوا میں پرورش پانے کا موقع ملا۔ ان کی حالت بدل گئی۔ رنگ و روپ میں فرق آگیا۔ درخت ہرے بھرے ہو گئے۔ ٹہنیاں لہلہانے لگیں۔ نئے نئے کونپلوں کو دیکھ کر طبیعت کو نئی قسم کی فرحت ملنے لگی اور میرا دل بے ساختہ پھر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے۔ ہمیشہ قید میں رہنے والے مخلوق مکروہ و بدصورت ہو جاتے ہیں۔ جو اپنے آتما کو باطل عقائد کی زنجیر سے مقید رکھیں گے ان میں رُوحانی شان کبھی نہ آوے گی۔ حقیقت کے سمجھنے والوں کو آزاد منش بننا چاہیئے۔

(۸۲)

نکتہ چین

اُستاد نکتہ چین ہے، اُپدیشک نکتہ چین ہے، سماجیں، سبھائیں سب نکتہ چینی پر تلی ہوئی ہیں، جو مذہبی کتابیں بھی پڑھنے کو دی جاتی ہیں۔ ان میں بھی شروع سے آخر تک نکتہ چینی۔ حرف گیری اور عیب جوئی کے مضمون بھرے پڑے ہیں یا ایشور تیری پناہ! کیا یہ سامان کبھی انسان کو انسان بنا سکتے ہیں۔ ایسے اُستاد کو فوراً ترک کردو، جو حرف گیری کی ناقص عادت سکھادے۔ ایسے اپدیشک کی کبھی مت سنو، جو عیب جوئی کے سوا کچھ کہنا نہیں جانتا۔ ایسے سماج وسبھا سے قطع تعلق کرلو، جہاں سوائے حرف گیری کے اور کوئی بات نہیں کی جاتی اور جن مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے تم میں لوگوں کے عیب دیکھنے کا جوش پیدا ہو۔ اُن کو جلاکر خاک سیاہ کردو۔ تب میرے پاس آؤ۔ اور میں تم کو بتاؤں گا۔ تم انسان ہو اور تمہارے بھائی، یہ سب انسان ہیں۔ ان کے اور تمہارے اندر ایک شاندار آتما بستا ہے۔ جو مجمع الصفات ہے۔ یہ تمام عیبوں سے خالی ہے۔ تم میں کوئی عیب نہیں ہے اور دُنیا کا کام ایسا نہیں ہے، جو تم نہیں کر سکتے ہو۔ آؤ۔ اپنی ذات اور اپنی اصلیت کا علم حاصل کرو۔ اور تم روحانیت کے آسمان پر مہر منیر کی طرح چمک اُٹھوگے۔

(۸۳)

زبان اور اصلیت

سوامی رام تیرتھ جی نے کسی وقت اپنے ایک لیکچر کے ضمن میں بہت

اچھا قصہ سُنایا تھا۔ قصہ یہ ہے :۔ تین لڑکوں کو کسی شخص نے پانچ پیسے دیئے کہ جو جی میں آوے، خرید کر کھالو۔ ان لڑکوں میں سے ایک ہندو، دوسرا پارسی تیسرا انگریز تھا۔ یہ ایک دوسرے کی زبان اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے، ہندو کہتا تھا میں ہندوانہ لوں گا۔ پارسی کہتا تھا مجھ کو تربوز کھانے کی خواہش ہے۔ انگریز بچہ واٹرملن خریدنے کے لئے زور دیتا تھا۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دیر تک لڑتے جھگڑتے رہے۔ اتفاقاً ادھر سے کسی آدمی کا گذر ہوا۔ جو انگریزی، پارسی اور ہندوستانی تینوں زبانیں سمجھتا تھا۔ اُس نے لڑکوں سے اُن کی زبان میں سمجھا کر کہا کہ میں وہی چیز دوں گا۔ جو تم چاہتے ہو۔ اور اُس نے اُن سے پیسے لے کر ایک تربوز خریدا اور اس کے تین ٹکڑے کر کے تینوں میں تقسیم کر دیا۔ ہندو لڑکا خوش ہو کر کہنے لگا۔ مجھے ہندوانہ مل گیا۔ پارسی بولا، میں نے تربوز پالیا۔ انگریز بچے نے کہا یہی واٹرملن ہے۔

چیز ایک تھی صرف زبان و نام کا فرق تھا۔ اسی طرح اصلیت ایک ہے، مگر مذہب والے صرف نام کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اگر کسی طرح ان کی آنکھوں کا پردہ دور ہٹا کر حقیقت کو روشناس کر دیا جائے تو شاید پھر یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں ؎ سمجھے کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ

(۸۴)

رُوحانی اصلاح

کسی شخص کو کسی قسم کے قاعدہ کی پابندی کے لئے مجبور نہ کرو۔ اگر

کسی میں پریم کا مادہ نہیں ہے تو وہ تمہاری جبر و سختی کی وجہ سے پریمی یا بھگت نہیں بن جاوے گا۔ جس کی جیسی حالت ہے۔ اُسی کے موافق اُس کا عمل و شغل ہوگا۔ اپنے اپنے ڈھنگ میں ہر شخص صاحب مذہب ہے۔ جس کی روح جس حد تک بیدار ہو گئی ہے۔ وہ اُسی حد تک ایشور کی پرستش کر سکتا ہے۔ اگر تم جبر کرو گے تو نتیجہ ناقص ہوگا۔ جلدی کس بات کی ہے۔ قدرت خود بخود جنم جنماتر کے سلسلہ میں لوگوں کی طبیعتوں کی صفائی اور گڑھت کر رہی ہے۔ کیا تمہاری جلدی سے کبھی کسی کی بھلائی ممکن ہے؟ ایشور کی کائنات کا انتظام مکمل ہے۔ تم شانت چت ہو کر ایشور پر ایشور کے کام کو چھوڑ دو۔ اپنے کام کو دیکھو۔ اگر ایشور نے سچ مچ تم کو کسی کام کے لئے اپنا اوزار بنا لیا ہے تو اس کام کو سادگی اور پریم کے ساتھ بغیر جبر و کراہ کے کام انجام دو۔ اس کا پھل ایشور کے اُوپر چھوڑ دو۔ وقت آوے گا جب ہر شخص خود بخود اپنے استحقاق و قابلیت کے بموجب تمہاری مدد کی احتیاج ظاہر کرے۔ اس کو مدد دو اور بس:

(۸۵)

مفید خیالات

اگر اپنے ہمسایہ کے عیب پر تمہاری نگاہ ہمیشہ رہے گی۔ تو یاد رکھو تمہارا اخلاق کبھی درست نہ ہوگا۔

اعلےٰ خیالات والوں کو معمولی سمجھ والے پاگل اور مخبوط الحواس سمجھتے اور کہتے ہیں۔ تم جسم نہیں ہو۔ رُوح ہو۔ اس خیال کو اپنے دل میں مضبوطی سے قائم کر لو۔ چڑچڑے مزاج کا آدمی ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کی شکایت کیا کرتا

ہے۔ ہوا کے چلنے سے درخت کا پتا کھڑکا نہیں۔ کہ اُس کا مزاج بگڑا نہیں

بدمزاج آدمی چاہتے ہیں کہ دنیا کا کام ان کی خواہش کے موافق ہو۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوتا، وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔

ہزار کوئی کسی کو دُکھ دینا چاہے۔ لیکن اگر وہ دُکھی نہیں ہونا چاہتا تو کوئی اُس کو پریشان نہیں کر سکے گا۔

اگر تم کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے غصہ آجاتا ہے تو سب سے پہلے تم کو اپنے غصہ کی عادت دُور کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ غصہ سے بدتر عیب کوئی نہیں ہے۔

طبیعت کی معقول طور پر گرفت کر لو۔ دُنیا کی بلیات و حادثات تمہارے مزاج کو درہم برہم نہ کر سکیں گی۔

اگر اپنی روح کے لئے سچ مچ عالی شان محل تیار کرنا چاہتے ہو تو اچھے خیالات سوچا کرو۔ اچھے خیالات ہی اچھا جسم اچھا دماغ، اچھی عقل اور اچھے حواس پیدا کر سکتے ہیں، یہ ہمارا نہیں، بلکہ مہاتماؤں کا بچن ہے۔

ہر چیز مقدار مناسب کی ترکیب سے اچھی بنتی ہے۔ حلوہ بنانے کے لئے آٹا، گھی، شکر برابر خواہ مناسب وزن میں ہوں، تو وہ اچھا بنے گا۔ اگر ایک بھی بڑھ گیا، خواہ گھٹ گیا، تو وہ بگڑ جائے گا۔ اسی طرح اچھی زندگی بسر کرنے کے لئے اچھے عادات اور اچھے شغل کا بھی بمقدار مناسب ہونا ضروری ہے۔

جس قدر تم اوروں سے بددل و بیدل رہو گے اتنا ہی تم کو تمہارا دل دُکھ دیتا رہے گا۔ دوسروں کی صرف بھلائیاں دیکھا کرو۔ تم کو خوشی حاصل

ہو گی۔ اور تم پاک وصاف بنتے جاؤ گے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم کو سچ کے قبول کرنے میں ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے تو اُس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان باتوں کو قبول کر لیں۔ جن کو ہم نے سچ مان رکھا ہے۔ ورنہ ایسے آدمی دُنیا میں شاید ہی ملیں گے۔ جو سچائی کے قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔

بھگوت گیتا کہتی ہے جو دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا، اُس کو دوسرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ اہنسا کی اعلےٰ تعلیم ہے۔

افلاطون کا قول ہے۔ جس شخص میں غور کرنے کی عادت ہے، وہ اپنی روح سے دو بدو کام کرتا ہے۔

اگر تمہاری نگاہ دوسروں کی بھلائی پر پڑتی ہے تو اُس کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں بھلائی کی عادت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ بھلے تو جگ بھلا۔

جو بُرا ہے اُس کو تمام دُنیا بری نظر آتی ہے۔ دُنیا میں سارا کرشمہ اپنے خیالات کا ہے ؎

تشنگان را نماید اندر خواب
ہمہ عالم بچشم چشمۂ آب

اگر ایشور کا درشن منظور ہے، تو اس کو اپنے میں دیکھو اور جگہ وہ کہیں نہ ملے گا۔ زندگی کو خوش اسلوبی کے ساتھ بسر کرنے کا راز سیکھ لو اور کسی بات کے جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

دنیا کے مال و اسباب، لڑکے بالے اور دنیاوی تعلقات کی وجہ سے تم بندھن میں نہیں ہو، بلکہ بندھن کا اصلی سبب تمہارا اپنا دل اور تمہارا اپنا خیال ہے۔

اگر دُنیا میں عیب نظر آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو مکمل بناؤ، نہ کہ دنیا کے ساتھ خواہ مخواہ لڑتے جھگڑتے رہو۔

لُقمان سے کسی نے پُوچھا "تو نے ادب کس سے سیکھا ہے؟" جواب دیا "بے ادبوں سے"۔ (گلستان) اسی طرح تم بھی دُنیا کے عیبوں کو دیکھ کر بے عیب بننے کی کوشش کرو۔

جھوٹا مذہب اندریوں کو سکھاتا ہے، کہ آتما کو خوب جکڑ رکھو۔ سچا مذہب آتما کو سکھاتا ہے کہ اندریوں کو آزاد کر دو۔

تم جس قدر دُنیا کو اپنی نیکیاں دو گے، اتنی ہی نیکیاں تم کو ملیں گی۔ تم رُوح کے جس طبقہ میں بیٹھ کر فیاضی کرو گے۔ ویسی ہی تم میں اُسی درجہ کے حساب سے ترقی آتی جائے گی۔ وہ طبقہ چاہے من کا ہو، بچن کا ہو، خواہ کرم کا ہو۔ ؎

دھن دیئے دھن نہ گھٹے ندی نہ گھٹیو نیر
اپنی آنکھوں دیکھ لو کہہ گئے بھگت کبیر

تم دُنیا میں اس واسطے نہیں بھیجے گئے ہو کہ تم یہاں آکر اپنا سُدھار کر لو۔ دُنیا کو صوفی مزرعۃ الآخرۃ کہتا ہے۔ ویدانتی کرم کشیتر بتاتا ہے، تم اپنا سُدھار کر لو اور ہر جگہ تم کو شانتی اور بھلائی نظر آنے لگے گی۔

مکتی "کمال" کا مرادف ہے۔ صاحب کمال انسان جس وقت مکمل بن جاتا ہے۔ پھر اس میں نقص نہیں آتا۔ ورنہ پھر اس کو صاحبِ کمال کہنا غلطی ہوگی۔

جہاں تک ہو سکے، نیک بن جاؤ۔ تم ایشور سے واصل ہو جاؤ

گے کیونکہ نیکی ہی ایشور ہے۔ نیک آدمی کے نزدیک دُکھ، افلاس اور پریشانی نہیں آتی۔ وہ ہر حالت میں خوش رہتا ہے۔

جس قدر تم دوسروں کو گیان سکھاتے ہو۔ اگر اُسی قدر خود گیان سیکھنے کی کوشش کرتے تو چند ہی روز میں گیانی اور بزرگ بن جاتے۔

پر اُپدیش کوشل بہترے
نج اُپدیشھین سو نہ گھنیرے (تلسی داس)

جہاں دوسروں کو بُرائی نظر آتی ہے۔ اگر وہاں تم کو خوبصورتی نظر آوے تو سمجھ لو۔ تمہاری رُوح بیدار ہو رہی ہے اور تمہاری آتما کے خلاف اندر ہی اندر اُترتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ روح نیک ہے۔ اُس کو بُرائی کہیں نہیں نظر آوے گی۔ اگر ایشور اور ایشور کی قدرت کو تم مکمل سمجھتے ہو تو پھر کائنات میں بدصورتی اور برائی کیسے آئی؟ کامل ایشور کا کام کبھی ناقص نہیں ہوتا۔

ہمارے لیکچرار جب لیکچر دینے کھڑے ہوتے ہیں۔ کہنے لگتے ہیں اگر یہ سامان ہوتا تو ہم کو کامیابی ہوتی۔ اگر یہ چیز میسر آ سکتی، تو فوراً کام بن جاتا۔ مگر یہ سخت نادانی ہے۔ تم جس قدر نیک بنو گے اُسی قدر تم کو اصلی کامیابی نصیب ہوتی چلی جاوے گی۔ دُنیا میں اس کے سوا کامیابی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے

(۸۶)

سچی نماز

شکار میں راہ بھُول گئی، دوپہر کا وقت قریب آ گیا۔ اکبر نے پگڈنڈی

کے نزدیک ایک درخت کے تلے جانماز بچھا لیا اور نماز پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق وقت ایک حسین دہقانی لڑکی جو اپنے شوہر کے خیال میں ہمہ تن غرق تھی۔ اسکی تلاش کرتی ہوئی ادھر سے آنکلی اور اکبر کے جانماز کو روندتی ہوئی چلی گئی۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا مگر اُس وقت اس نے ضبط کر لیا۔ جب لڑکی اپنے شوہر کو ساتھ لئے ہوئے واپس آئی بادشاہ نے اس کو لعنت ملامت کی۔ لڑکی سمجھدار تھی۔ مسکرائی وہ کیا جانتی تھی، یہ دہلی کا بادشاہ ہے۔ جس کا نام سُن کر بڑے بہادر تھرا جاتے ہیں اُس نے مذاقیہ پیرایہ میں جواب دیا ۔

نر راچی سُوجھی نہیں، تم کس لکھیو سوجان
پڑھ قرآن بورے بھیو، نہیں راچیو رحمان

ترجمہ:۔ مجھ کو انسان کے عشق نے بیخود بنا دیا تھا۔ اس لئے میں تم کو اور تمہارے جانماز کو) نہیں دیکھ سکی۔ لیکن اے عالم شخص! تو نے مجھکو کیسے دیکھ لیا (معلوم ہوا) قرآن پڑھ کر تم صرف باولے بن گئے ہو۔ اب تک تمہارے سر میں ایشور کے عشق کا سودا نہیں سمایا۔"

بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ لڑکی کو انعام دیا اور روایتیں کہتی ہیں۔ یہ دوہا اکثر اس کی زبان پر رہتا تھا۔ تم کیسے عشق کے خدا ہشمند ہو،

(۸۷)

اصلی نماز

روایت ہے۔ خلیفہ علی حضرت محمد صاحب کے صحابہ کرام سے تھے ان کی دانشمندی، سچائی اور سچی دلیری زبان زد ہر خاص و عام تھی۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر نماز پڑھتے وقت ان کے پاؤں میں تیر لگ گیا اور وہ ایڑی میں گھس گیا۔ لوگوں نے نکالنے کی خواہش کی، مگر محمد نے منع کیا اور حکم دیا، جس وقت علی نماز کے وقت گھٹنا ٹیک کر سجدہ میں جاویں۔ اس وقت تیر آسانی سے نکل آئے گا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب وہ سجدے میں گئے استغراق کی حالت طاری ہوئی لوگوں نے تیر کھینچ لیا۔ جب یہ فارغ ہوئے دیکھتے ہیں۔ تمام زمین خون سے سرخ ہو گئی ہے اور جانماز تر ہے۔ اُس کو اصلی پرستش کہتے ہیں۔

(۸۸)

عشق حقیقی

جب کسی انسان کو انسان کا عشق ہو جاتا ہے۔ وہ از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ ننگ و ناموس کا خیال جاتا رہتا ہے۔ لعنت ملامت بے سود ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان میں پرماتما کے عشق کا دم بھرتے ہوئے اتنا بھی نہیں ہوتا۔ تو سمجھ لو، اس میں سچا عشق نہیں ہے۔ اس کا سارا کام ظاہرداری کا ہے۔ اس میں سچائی نہیں ہے۔ اگر آگ کے پاس جانے سے گرمی محسوس ہوتی ہے۔ اگر کسی جھیل کے قریب سے سردی معلوم ہوتی ہے تو پھر پرماتما کے قریب ہونے سے جو پریم کا بھنڈار ہے۔ کس طرح پریم کا احساس نہیں ہوگا؟ اس کی حالت میں تبدیلی آجانی چاہیئے۔ اس کے رگ رگ میں جذبۂ عشق کے اثر کو پیدا ہو جانا چاہیئے اور جس طرح حقیر کیڑا بھرنگی کے تصور سے بھرنگی بن کر اور پردار بن کر اُڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح اس کی بھی کیفیت ہونی

چاہیئے۔ اگر یہ نہیں ہے تو عشق کا سوانگ ہے۔ اصلیت کچھ نہیں ہے ؛

(۸۹)

نیک دِلی کی عادت

جو شخص اپنی طبیعت کو نیکی کی جانب مائل رکھتا ہے اور ہر شخص کو مہربانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی زندگی خود بخود نیک بنتی چلی جا رہی ہے اور اس میں نیک دلی کی عادت آتی جا رہی ہے۔ اُس کا دل حسد اور کینہ پن کی حالت سے اُونچا اُٹھ رہا ہے۔ اور اس کی زندگی ہر پہلو سے فراخ اور کشادہ ہو رہی ہے۔ جہاں کہیں ہم آدمیوں سے ملتے ہیں۔ خواہ وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر انسانیت کے رشتہ کا خیال خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ میل ملاپ کی خواہش ہوتی ہے۔ اگر دیکھو کہ تم میں یہ وصف موجود ہے تو تمہارے نیک دل ہونے میں ذرّہ بھی شک نہیں ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیم کا جوہر یہی ہے کہ سب کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ۔ ایسی عادت سے تم روز بروز دیوتا بنتے جاؤ گے۔

اگر یہ عادت نہیں سیکھتے تو زندگی تلخ رہے گی۔ خود غرضی، خود مطلبی، نفسانیت اس کو ناکارہ اور نکمّا بنا کر چھوڑے گی۔ نیک بننا مشکل نہیں ہے۔ اپنے بچوں کو پیار کرو، بیوی کو پیار کرو۔ بھائی بند، ماں باپ اور پڑوسیوں کے ساتھ محبت سے پیش آیا کرو۔ بس تمہاری عادت پڑ جائے گی۔

فرض کرو۔ آج تم ارادہ کرتے ہو کہ ہم ہر شخص کے ساتھ مہربانی

سے پیش آویں گے۔ گلہ عیب جوئی کی عادت کو جواب دو۔ پرسوں خود غرضی پر تبرا بھیجو۔ وعلیٰ القیاس اس طرح رفتہ رفتہ تم کچھ کے کچھ بن جاؤ گے ؛

(۹۰)

ارادہ خوبصورتی اور کاریگری

کہنے والے کہتے ہیں۔ یہ دنیا پانی، مٹی اور ہوا وغیرہ کا گولہ ہے۔ اور یونہی بن گیا ہے۔ اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔ یوں ہی جب اتفاق سے عناصر کے اجزا باہم مل جاتے ہیں خود بخود طرح طرح کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کہنے میں تو یہ بہت اچھی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کرنے والے جانتے ہیں۔ مٹی، پانی، آگ، ہوا جڑ یعنی بے جان چیزیں ہیں۔ یہ خود بخود مل کیسے سکتی ہیں۔ ان کو حرکت میں لانے والی بھی کوئی تمیز دار طاقت ضرور ہونی چاہیئے۔

دوسرے اگر بغرض محال تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے۔ کہ ایسا ممکنات سے ہے تو اس میں وہ دانائی کے پہلو کہاں نظر آویں گے۔ جن پر نگاہ پڑتے ہی ہم تم اور سب لوگ عش عش کر جاتے ہیں۔

دنیا میں جتنی چیزیں ہیں۔ ان میں تین باتیں ہر جگہ نظر آویں گی۔ ارادہ خوبصورتی اور کاریگری۔ اور یہ تینوں باتیں کسی تمیز دار خالق کی ہستی کی ہر وقت شہادت دیتی رہتی ہیں۔

ہاتھی کے پاؤں اونچے ہیں، اور سخت ہیں۔ گردن چھوٹی ہے۔ اگر اس کی سونڈ لمبی نہ بنائی گئی ہوتی۔ تو وہ کیسے گھاس یا چارہ کھا سکتا تھا۔ اونٹ

کی ٹانگیں لمبی ہیں۔ اس لئے اس کی گردن بھی لمبی بنائی گئی ہے۔ کیا ہاتھی کی لمبی سونڈ اور اونٹ کی لمبی گردن سے بنانے والے کا ارادہ ظاہر نہیں ہوتا۔ ضرور ظاہر ہوتا ہے، اور اس لئے وہ صاحبِ ارادہ ہے۔ جڑ یا بے جان چیز صاحب ارادہ نہیں ہو سکتی۔

خوبصورتی اور کاریگری تو قدرت کی ہر چیز میں نمایاں ہے۔ تمام کائنات مکمل خوبصورتی اور مکمل صنعت کا ظہور ہے۔ کسی چیز کو لے لو۔ چاہے اس کو تم حقیر ہی کیوں نہ سمجھتے ہو۔ اس کو ذرا غور سے دیکھو۔ اور اگر تم کو دیکھنے والی آنکھ میسر ہے، تو تھوڑی ہی دیر بعد اس کے رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں تم کو کاریگری اور خوبصورتی دکھائی دے گی۔ درخت کے پتے، گھاس کے تنکے۔ پھول کی پنکھڑیاں پھدکتی ہوئی چڑیا۔ رینگتے ہوئے کیڑے، مکوڑے مٹی کے ذرے، پہاڑ کے سنگریزے۔ سب میں حسن اور سب میں اس صانع حقیقی کی صنعت کا ظہور ہے۔

۹۱

ٹکڑ گدا فقیر

کسی نے ایک بھیک مانگنے والے فقیر کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیدیا۔ اس نے روٹی لے لی، اور چلتا بنا۔ یہ استعجاب اور حیرت کی نگاہ سے اس کو دیکھتا رہا، اور آخر کار اپنے اندرونی جذبہ کو ضبط نہ کر سکا کہنے لگا "نا سپاس ناحق شناس! میں نے تجھ کو خیرات دی تو نے شکریہ بھی ادا نہ کیا اور یونہی روٹی لے کر بے پرواہی سے چلا گیا"

کیا اس قسم کے خیال کو تم غلط، بیہودہ اور کمینہ پن کا خیال کہو گے؟

فقیر کیوں تمہارا شکریہ ادا کرے؟ تم نے تو اس پر کیا احسان کیا؟ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو تم کو اس بدحیثیت فقیر کا مشکور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ نہ ہوتا، خواہ بھیک مانگنے والوں کا گروہ دنیا سے معدوم ہو جاتا، اور کوئی کسی کی خیرات قبول نہ کرتا تو کسی کو اپنے خیرات کے مذاق میں ترقی دینے کا موقع کہاں ملتا۔ اور اس زبردست اور شاندار اخلاقی پہلو کی تکمیل کیسے ہوتی۔ تم کو خود شکر کرنا چاہیئے کہ اس فقیر کی حاجت براری تمہارے ہاتھ سے ہوگی۔ اور تمہارے دل کے ایک نیک جذبہ کو ابھرنے کا ذرا موقع ہاتھ آ گیا۔

اس بات کے سنتے سنتے کان پک گئے۔ کہ ہم کو دنیا کا اُپکار کرنا چاہیئے۔ تاکہ دنیا کا بھلا ہو۔ اور اس خیال کو لے کر لوگ کالج بناتے ہیں، سکول کھولتے ہیں، یتیم خانے جاری کرتے ہیں، شفاخانے، مسافر خانے، تالاب، کنوئیں، باغ، دھرمسالے بنوا دیتے ہیں۔ یہ سب کام بہت اچھے ہیں۔ اور لوگوں کو ضرور کرنے چاہئیں۔ مگر ان سے دنیا کا کیا اُپکار ہے؟ کیا ایشور کی دنیا تمہارے دو پیسوں کی محتاج ہے؟ جب تک تم خیرات نہ کرو، تب تک وہ دکھی رہے گی۔ نیک بختو! یہ خیال صریحی غلط ہے۔ دنیا جیسی ہے، ویسی ہے۔ اس کا بنانے والا رات دن بیدار رہ کر اپنے مذاق کے موافق اس کو بناتا رہتا ہے۔ اس کو کسی بات کی کمی نہیں ہے، اور نہ وہ تمہارے حقیر خدمات کا محتاج ہے۔ آخر دیکھو تو سہی تم ہو کیا چیز۔ اس وسیع لاتحد اور لامحدود کائنات میں ہمارے اور تمہارے ایسے ذلیل مخلوق کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ہم دنیا کے اُپکار کرتے ہیں۔ خبردار! ایسے لفظ کبھی زبان سے نہ نکلیں۔ ان میں

ناقص غرور کی بُو آتی ہے۔ بلکہ یہ کہو، کہ اس قسم کے کام کرنے سے تمہارا اپنا اپکار ہوتا ہے اخلاق کی مشاقی کے موقع ملتے ہیں۔ دل کی کثافت دُور ہوتی ہے۔ نیکی آتی ہے۔ نیکی کی خوشی ملتی ہے اور تم خوش ہو کر اپنا فرض ادا کر کے دُنیا سے چل بستے ہو۔

(۹۲)

کُتّے کی دُم

سُنو! ہم کو ایک قصہ سُناتے ہیں۔ یہ محض قصہ ہے۔ فرضی ہے تواریخی واقعہ نہیں ہے۔ صرف مثال کی غرض سے یہاں اس کو بیان کرتے ہیں۔ اس کی غرض صرف اتنی ہی ہے۔ کہ تم لفظوں کے گورکھ دھندے میں نہ پھنسو۔ نفسِ مطلب پر نگاہ رکھ کر اخلاقی سبق سیکھو۔

آمدم برسرِ مطلب ایک شخص کو بھوت کے بس میں کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ بیچارے نے بہت منتر جنتر سیکھے۔ مگر بھوت بس میں نہیں آیا۔ تب وہ ویرانہ میں رہنے والے کسی مہاتما کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا، بھگوان! کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ بھوت میرے قبضہ میں آجائے۔ اور میرا کام دھندا سب کچھ کر دیا کرے۔" مہاتما سیانا تھا۔ بولا" بھوت بہت بڑے ہوتے ہیں۔ اس خیالِ خام سے باز آجاؤ۔ تم اس کو کام کاج نہ بتا سکو گے۔ آخر میں وہ تم کو چٹ کر جائے گا۔ اُس نے کہا" میرے پاس بہت کام ہیں۔" آخر اس مہاتما نے منتر بتا دیا۔ یہ گھر پر آکر منتر سِدھ کرنے لگا۔ جب منتر سِدھ ہو گیا۔

بھوت ظاہر ہو کر کہنے لگا "بتاؤ کیا کام کروں"؛ اُس نے کہا "ایک عمارت بنا دے" اور دیکھو۔

پل مارنے کی جو ہوئی دیری
سُبحان اللہ شان تیری

خاصی عمارت بنی بنائی تیار۔ اُس نے کہا۔ کھیت جوت آؤ، اور کھیت جوتا ہوا تیار تھا۔ روپیہ لاؤ، خزانہ وہیں حاضر غرض کہ جو کچھ کہا سب کیا کرایا موجود۔ اب کوئی کام نہیں رہا۔ بھوت نے کہا "کام بتاؤ ورنہ میں تم کو کھا جاؤں گا"؛ یہ ڈرا۔ مہاتما کے پاس دوڑا ہوا آیا۔

"بھگوان! بھوت کو جو کچھ کہتا ہوں، جھٹ پٹ کر دیتا ہے، اب میرے پاس کام نہیں ہے، بتاؤ کیا کروں، ورنہ وہ مجھ کو کھا جاوے گا"؛ اتنے میں بھوت بھی کھاؤں کھاؤں کرتا ہوا پہنچ ہی تو گیا۔ مہاتما کے پاس ایک کتا بیٹھا تھا۔ آدمی کے ہاتھ میں اُس نے خنجر دے کر کہا "اس کُتے کی دُم کاٹ لے اور بھوت سے کہہ کہ سیدھی کرے"۔ بھوت نے کُتے کی دم ہاتھ میں لے لی۔ ایک مرتبہ سیدھی کر دی۔ پھر جب اُس کو چھوڑ دیا۔ ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔ ایک دن گذرا، دو دن گذرے تین دن گذرے۔ بھوت نے ہزاروں کوشش کی مگر کُتے کی دُم سیدھی نہیں ہوئی۔ تب تو وہ بھی گھبرایا کہنے لگا "بھائی جو کچھ میں نے دھن دولت، روپیہ پیسہ دیا۔ سب کچھ تیرا۔ مجھ کو چھٹی دے دے"۔ یہ راضی ہو گیا۔ بھوت اپنے گھر گیا، چلو چھٹی ہوئی۔

یہ دُنیا بھی کُتے کی طرح ہے، کوئی ہزار کوشش کرے، یہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ شفا خانے، مدرسے، کالج سب کچھ بن گئے، شہر آباد

ہو گئے، ذرا سا بھونچال آیا۔ سب زمین سے مِل کر ایک ہو گئے ہے۔ سب کچھ کیا کرایا مٹی میں مِل گیا، تو میں بنتی بگڑتی ہیں، مُلک آباد ہوتے ہیں، برباد ہوتے ہیں۔ کبھی سمندر کے عمق میں ہمالیہ کی چوٹیاں نمودار ہو کر آسمان سے باتیں کرنے لگ جاتی ہیں، کبھی ہمالیہ کی جگہ سمندر لہرانے لگتا ہے۔ دُنیا میں کیسے کیسے طلسم و ایجادات تھے۔ آج وہ کہاں ہیں۔ غرض کہ یہ خیال کرنا کہ ہم دُنیا کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور اچھا بنا سکتے ہیں۔ بالکل لچر اور بے معنی بات ہے۔ کیا بڑی اور کیا پِدّی کا شوربہ! دُنیا ایشور کی ہے، تمہاری نہیں ہے۔ مگر ہاں تم کو موقع ہے۔ نیک کام کرتے ہوئے اپنے آتما کے پردوں کو اُتارنے کا اہتمام کرو، اور وقت پر ہنسی خوشی سے دُنیا سے کوچ کر جاؤ۔

۹۳

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد

جب میں بمبئی میں تھا۔ میرے ساتھ ایک کہار نوکر تھا، جب میرا پاؤں دبانے لگتا۔ تب اکثر کہا کرتا: "بابو جی! لڑکے ذرا بڑے ہو جائیں، اور مجھ کو ان کی طرف سے ذرا فراغت حاصل ہو جائے اور یہ کام وہ کام ختم ہو جائے تو میں دُنیا کو ترک کر کے یادِ الٰہی کروں گا۔" میں ہمیشہ اس نادان کی بات سُن کر ہنس دیا کرتا تھا۔ کیونکہ میں خوب سمجھتا تھا۔ کاہے کو نو من تیل ہوگا اور کاہے کو رادھا ناچے گی۔

آج تک کوئی شخص ایسا نہیں گزرا، جو یہ کہہ سکے کہ میں نے دُنیا کا کام سب ختم کر لیا۔ معمولی گرہستی آدمیوں کے لڑکے بالے ہوتے

ہیں۔ ان کی شادی بواہ سے فراغت ہو جاتی ہے۔ پھر پوتے پڑپوتے ہوتے ہیں۔ غرض کہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ وہ اپنے وقت کو اسی حیص بیص میں گزار دیتے ہیں، کہ وقت آئے گا، فرصت ملے گی۔ تب پرماتما کی طرف جھکیں گی۔ مگر ان کی زندگیوں کو دیکھو۔ ساری عمریوں ہی پس و پیش میں گزر گئی اور کچھ بھی کرتے کراتے نہیں بنا۔

یہ کون کہتا ہے کہ تم دُنیا کو ترک کرو۔ یہ بالکل بیہودہ خیال ہے۔ اس زمانہ کی تہذیب و اثرات کے سامنے کس کی مجال ہے کہ قدیم وان پرستھ کی آئین کو زندہ کر سکے، وہ وقت اور تھا، اب مقتضاء وقت اور ہے۔ لیکن یہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ گھر میں دُنیا کا بھی کام دھندا کرے اور کچھ مولیٰ کی بھی یاد ہوتی رہے۔ دل! یار دوست بکار۔ آج کل جو ایشور کے سچّے بھگت ہیں، وہ اِسی قسم کے ہیں۔ ورنہ بتو بن وغیرہ میں چند مستثنیات کے سوا محض اپاہج ہی بستے ہیں۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی زندگی کو باقاعدہ بنائے اور اس میں سے صبح و شام کچھ تھوڑا سا وقت بھگوت بھگتی کے لیئے نکال لے۔ یہ کبھی نہ کہے کہ دُنیا سے کنارہ کش ہو کر تب کام کریں گے۔ کیونکہ اوّل تو کسی نے کبھی دُنیا کا کام پُورے طور پر ختم نہیں کیا۔ دوسرے یہ خبر نہیں کہ کب یہاں سے کوچ کرنا ہو۔ اس لئے کچھ نہ کچھ رُوحانی سُکھ کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ مرتے وقت خوشی خوشی یہاں سے کوچ کرے۔

(۹۴)

تقلید اور نقل

یہ ایک عام بات ہے، لوگ کہتے ہیں۔ فلاں شخص کی پیروی کرو، فلاں شخص کی متابعت کرو۔ اور تم ترقی کر جاؤ گے۔ لیکن ہم کو اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ ہم کو کسی شخص کے اندھا دھند تقلید سے کیسے کامیابی ہو سکتی ہے۔ دُنیا میں دلو آدمی ایک وضع، ایک خیال اور ایک طریقہ کے نہیں ہیں۔ پھر محض تقلید کیا نتیجہ پیدا کر دے گی۔ ظاہرا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں جو کچھ اپنا ہے، وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رام کی تقلید سے رام کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے تو کیسے صحیح مان لیا جائے۔ شری رام چندر جی کی زندگی اور تھی، اُن کے سامان اور تھے۔ جس وقت میں وہ موجود تھے، وہ وقت اور تھا۔ اُن کے تجربات اور تھے۔ ہم وہ سب سامان کہاں سے لا سکتے ہیں۔ انسان کا چال چلن اس کی زندگی کے حقیر و معمولی واقعات کے تجربوں کا نتیجہ ہے۔ کچھ وہ اپنے ماں باپ سے بطورِ وراثت کے پاتا ہے۔ کچھ اِرد گرد کے سامان سے سیکھتا ہے۔ کیسے مان لیا جائے کہ تقلید کامیابی کی کنجی مقلد کے حوالے کر دے گی۔

ایک پارسی زبان کا شاعر کہتا ہے ؎

عبادت بہ تقلید گمراہی است
خنک رہروئے را کہ آگاہی است

اب اس بات پر تھوڑی دیر کے لئے غور کرو کہ جن لوگوں نے دُنیا

میں نام پیدا کیا ہے۔ وہ مقلّد تھے یا نہیں؟ اور ہم صاف دیکھتے ہیں۔ کہ یہ بات اُن میں نہ تھی۔ ہر شخص نے خاص خاص ڈھنگ اختیار کیا تھا۔ بُدھ کا طریقہ اور تھا۔ شنکر مختلف الوضع کے انسان تھے۔ سوامی دیانند کچھ اور ہی طور وخیال کے تھے۔ ودیکانند کا کچھ اور ہی ڈھنگ تھا۔ ایک کو دوسرے سے ملا کر دیکھئے۔ کہیں مشابہت ہے۔ بالکل نہیں۔ یہ بات صرف مذہبی طبقہ میں نہیں، بلکہ ہر جگہ اور زندگی کے ہر کاروبار میں نظر آوے گی۔ جن لوگوں نے تقلید کی مارے گئے۔ اُن کی زندگی کامیاب رہی۔ ضرورت یہ ہے کہ ہم تم اور سب لوگ سوچیں۔ کہ ہم میں کون سے اوصاف اور خصوصیتیں ہیں۔ جن کے نشو ونما دینے سے ہم اوروں سے ممتاز رہیں گے اور اگر اس راہ کو اختیار کرو گے۔ بھلا ہو گا۔ ورنہ اپنی شخصیت اپنی فردیت اور اپنی خصوصیّت کو جلا کر خاک کر دو گے اور نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔

ہندو کیوں مخصوص ناکامیاب نظر آتے ہیں۔ سبب یہ ہے۔ وہ ہر کام میں بلا ضرورت تقلید ونقل پر تُلے ہوئے ہیں۔ کسی کے ایک لڑکے نے بی۔ اے پاس کیا۔ اور اعلیٰ منصب دار بن گیا۔ ہمسایوں نے سمجھا۔ بی۔ اے پاس کرانا کامیابی کی کُنجی ہے۔ سب لڑکے کالج کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ نہیں سمجھا کہ اُن کے مزاج میں کیا اختلافات ہیں۔

جو لوگ بچّوں کا مزاج اور میلان طبع جانچے بغیر محض نقل وتقلید کے اصول پر تعلیم دیتے ہیں۔ وہ سوسائٹی اور قوم کے دشمن ہیں اور اُن اُبھرنے والی طبیعتوں کے کچلنے والے ہیں۔ جو اپنی اپنی خداداد ذہانت کے موافق ترقی کے نصف النہار پر پہنچ کر سوسائٹی کو شاندار بنائیں ممکن ہے۔ ہمارے بچّوں میں سے کسی کا طبعی میلان تجارت کی طرف کوئی طبابت کا خیال رکھتا

ہو کسی کا مذاق علم نباتات کی طرف ہو۔ پھر تم کیوں ان کی طبیعت کی جانچ پڑتال کر کے ان کو تعلیم نہیں دیتے اور بے چاروں کو اپنی غلطی کا شکار بنا دیتے ہو۔

یہ بات انگریزوں میں بالکل نہیں ہے۔ سب وہاں بارہ پنسیری کا اُصول ان کے ہاں نہیں برتا جاتا۔ چنانچہ میں جب میں ہیڈ ماسٹر تھا۔ انگریزوں کا اُصول ٹوٹ جانے کی وجہ سے ایک لڑکا "فرنگ گلسن" نامی مجھ سے علم ریاضی اور انگریزی پڑھا کرتا تھا۔ اُس کا ارادہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔ اتفاقاً ایک دن میں اُس کے ہاں باپ کو دیکھنے گیا۔ وہاں اُن کے میز پر ایک چھپی ہوئی کتاب رکھی تھی۔ جس میں ہر قسم کے پیشہ کی تعلیم ان کے مدارس اور پھر تحصیل علم کے بعد زندگی میں داخل ہونے کے متعلق وسیع معلومات موجود تھے۔ میں اُس کو دیکھنے لگا۔ فرنگ کی ماں کہنے لگی۔ اس کتاب کے گھر میں رکھنے کی غرض یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کے طبعی میلان کو دیکھ کر اُسی کے مطابق ان کو مختلف قسم کے مدرسوں میں بھیجا کریں۔ یہ کتنی دانائی کی بات ہے۔ کیا ہندوستانی ایسا نہیں کر سکتے۔ کر تو سکتے ہیں۔ مگر جب سوچیں سمجھیں بھی۔

دُنیا میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے خصوصیت کے خاص لباس میں اپنی اصلیت کا جوہر دکھلائے۔ اسی میں اس کو اصلی کامیابی نصیب ہوگی۔ لیکن اگر وہ اوروں کو دیکھ کر اپنی اصلیت کو ملیامیٹ کر کے زبردستی دل پر جبر کر کے دوسری راہ اختیار کرے گا۔ مارا جائے گا، اور پھر کامیابی نہ حاصل کر سکے گا۔ جس کام کے لئے تم کو نیچر نے وضع کیا ہے، اسکو سمجھو اُسی پر چلو۔ اگر دوسروں کی وضع اختیار کرو گے تو اصلیت کو کھو بیٹھو گے،

ے

کلاغے تنگ کبک درگوش کرد
تنگِ خویشتن ہم فراموش کرد

دُنیا میں ہر شخص کی جگہ خالی ہے، پرکرتی ماتا بہت عقل مند ہے۔ اِنسان یوُں ہی بلا ضرورت نہیں پیدا ہوئے۔ مگر قدرت کی منشاء کو کمتر آدمی سمجھتے ہیں۔ جس میں مصوری کا مذاق ہے۔ بہتر ہے، وہ وکیل نہ بنے مصوّر ہو کر دُنیا کے سٹیج پر اپنا تماشہ دکھائے۔ جس میں تجارت کا مادہ ہے۔

بہتر ہے، وہ ملازمت کا خبط دل سے نکال دے۔ اور تاجر بن کر شہرت و کامیابی حاصل کرے۔ وَعلیٰ ہذا القیاس ؛

(۹۵)

مذہب اور مذہب کی سچائی

نادان کہا کرتے ہیں، مذہب کے معاملات میں عقل کو دخل نہیں ہے، اور مذہب کی پیروی بھی یوُنہی بغیر سمجھے بُوجھے ہونی چاہیئے۔ یہ بالکل نادانی کی بات ہے۔ اگر ایشور کی بخشش ہوئی زبردست برکت اور قیمتی عطیہ ہے، تو سب سے پہلے اس سے مذہب کی جانچ کرنی چاہیئے جو مذہب عقل کی ترازو پر نہیں تُلتا۔ وہ جس قدر جلد دُنیا سے غائب ہو جائے بہتر ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے گمراہی و باطل پرستی کے پھیلنے کا خوف ہے اور گمراہی و ضلالت انسان کو بربادی کے مُنہ میں جھونک دیتے ہیں۔

ہم کیوں مذہب کی جانچ نہ کریں۔ جو لوگ مذہب کی جانچ کئے بغیر کسی اُصول کو قبول کر لیتے ہیں، شک و شبہات کا چور ہر وقت اُن کے دل کے گھر میں نقب زنی کیا کرتا ہے اور دیواروں کو توڑ پھوڑ کر جو کچھ روحانیت کا مادہ اندر ہوتا ہے، سب کو تاخت و تاراج کر دیتا ہے بھول کر بھی یقین نہ کرو کہ مذہب عقل کی کسوٹی پر نہیں کستا۔ وہ کبھی تمہاری رُوحانی قوت کو مکمل کر سکے گا۔ اگر تم بازار کی حقیر ہانڈی خریدتے وقت اس کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیتے ہو۔ تو پھر مذہب کے بارہ میں پس و پیش کیسا؟ اس کی سب سے پہلے جانچنے کی کوشش کرو۔

یقین رکھو۔ مذہب سچّا اور ایشور سچّا ہے اور جو چیز سچّی ہو۔ اُس کو جانچ پڑتال کرتے میں کیوں خوف؟ یہ صرف تمہاری لاعلمی اور نادانی ہے جو مذہب اور عقل کو مخالف ٹھہراتی ہے۔ اصل میں ایسا نہیں ہے۔

(٩٦)

دھرم اُدھرم۔ نیکی اور بدی

مہابھارت میں ایک موقعہ پر جب کرن کے مارے جانے میں دیر ہوئی۔ یُدھشٹر نے ارجن اور اس کی کمان کو سخت و سُست کہا۔ ارجن کے غصہ کی آگ مشتعل ہو آئی۔ اور اُس نے کمان کو ہاتھ میں لے لیا۔ بھگوان شری کرشن اس کے ارادہ کو بھانپ گئے۔ فرمانے لگے۔ کیا ارادہ ہے اُس نے کہا میں نے قسم کھائی تھی کہ جو شخص میری کمان کو بُرا بھلا کہے گا۔ میں اُس کو جان سے مار دوں گا۔ چنانچہ یُدھشٹر نے ایسا کیا ہے میں اُن کے قتل کے لئے کمان تان رہا ہوں۔

شری کرشن نے ان کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ باز نہیں آتا تھا۔ اور پھر یہی کہتا رہا کہ دھرم اس کے قتل کی اجازت دے رہا ہے۔ تب بھگوان نے غصہ کے لہجہ میں کہا "نادانو! تم کو ذرا دھرم اُدھرم کی سمجھ نہیں ہے تم ناحق دھرم اُدھرم چلاتے ہو۔ مگر دھرم کے مقتضا کو نہیں جانتے کیا یدھشٹر کو مار کر تو دھرماتما کہلائے گا؟ تو نے کبھی دھرم کے اصلی مطلب کو بھی سمجھا ہے؟ ارجن اُس وقت متفکر ہو کر پوچھنے لگا۔

"بھگوان! پھر کیا کیا جائے؟" جواب ملا۔ اس قسم کی قسمیں کھانا ادھرم ہے، دھرم نہیں ہے۔ آئندہ اس کی احتیاط رکھو۔ مگر چونکہ تجھ کو اپنی بات کا پاس ہے۔ اس لئے یدھشٹر کو سخت و سست کہہ دیا تیری بات رہ جائے گی۔ عقل مندوں نے کہا ہے۔ کسی بزرگ کی توہین کرنا اُس کے قتل کے برابر ہے" ارجن نے ایسا ہی کیا، اور وہ قصہ رفع دفع ہو گیا۔

ہم ہندوؤں میں دھرم کی سمجھ کی سخت کمی ہے۔ شاید آدمی اس بات پر غور کرتے ہوں گے۔ کہ دھرم کی اصلیت کیا ہے۔ اور وقت تعلقات اور اردگرد کے واقعات اس کو اس خاص موقعہ پر کیا حیثیت عطا کرتے ہیں۔ اس کا تو لحاظ کبھی نہیں کیا جاتا۔ مگر ہر کس و ناکس گلا پھاڑ پھاڑ کر دھرم دھرم چلا رہا ہے۔ اور قوم کی قوم ناحق نادانی کا شکار ہو رہی ہے۔

"ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد"

دھرم بہت اچھی چیز ہے جو دھرم کی حفاظت کرتا ہے، وہ زندہ رہتا ہے۔ جو دھرم کو مارتا ہے، وہ خود مرجاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دھرم کے پہلو خصوصیت و مقتضا، وقت سب کو پیش نظر رکھے۔ بھگوان

کرشن نے فرمایا ہے "اپنا دھرم چاہے خراب معلوم ہو، اس کو ترک نہ کرنا چاہیئے اور دوسرے کا دھرم چاہے اچھا ہو، اُس کو اختیار نہ کرنا چاہیئے"
یہ کلام کس قدر پُر معنی اور وسیع ہے، مگر اس کے سمجھنے میں بھی کیسی نادانی کی جا رہی ہے۔ دھرم سے مُراد یہاں مذہب خواہ پنتھ سے لے جاتی ہے۔ حالانکہ کہنے والے کا مطلب وہاں آشرم دھرم سے ہے، یعنی گرہست کا دھرم گو ظاہراً سنیاسی کے دھرم سے بہتر نہ نظر آوے، مگر گرہستی کو اپنے ہی دھرم پر قائم رہنا چاہیئے۔ وَعلیٰ ہٰذا القیاس ؛

(۹۷)

وہ نادان ہے

ایک مموکشو اپنے گورو کے پاس جا رہا تھا۔ راہ میں ایک شخص بولا۔ کہنے لگا تو کیوں اس گورو کے پاس جاتا ہے، وہ نادان ہے۔ کچھ نہیں جانتا۔ نہ اُس میں سیدھی شکتی ہے، میرا گورو بڑا دانش مند ہے۔ صاحب کمال ہے۔ دیکھ میں نے اس کے پاس رہ کر کمال حاصل کر لیا ہے۔ مموکشو نے اس شخص کی باتیں سُنیں اور جواب دیا۔ دوست! میں اپنے گورو کے پاس صرف اس وجہ سے جاتا ہوں کہ وہ کسی کی برائی نہیں کرتے اور نہ اپنی تعریف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مجھ کو اُن میں شردھا ہے۔
یہ شخص پانی پانی ہو گیا اور دم بخود ہو کر چلا گیا ؛

۹۸

سچّا علم

یُدھشٹر جب کمسن تھے، اور لڑکوں کے ساتھ پڑھنے جاتے تھے جو کتاب پڑھائی جاتی تھی۔ اس میں اخلاق اور نصیحت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں انہوں نے اس میں سے صرف ۲ دو باتیں یاد کر لیں "نیکی کرو" "غصہ نہ کرو"۔ کتاب جو پڑھائی جاتی تھی۔ سہل عبارت میں لکھی ہوئی تھی اور لڑکوں نے تو اس کو برزبان یاد کر لیا۔ اُن کو صرف ۲ دو باتیں یاد رہیں، اُستاد ناراض ہو کر کہنے لگا "کند ذہن لڑکے میں دیکھتا ہوں۔ تُو اور لڑکوں کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ دیکھ وہ کیسے فر فر تمام کتاب سُنا رہے ہیں۔ اور تُو نے اب تک صرف ۲ دو باتیں یاد کی ہیں۔

یُدھشٹر نے جواب دیا "میں نے یہ ۲ دو باتیں بھی اب تک اچھی طرح نہیں سمجھی ہیں، کیونکہ اب تک ان پر پُورا پُورا عمل نہیں ہے۔ جب تک اُن کو عمل میں نہ لا سکوں، اور زیادہ پڑھنا لاحاصل ہے۔

۹۹

نیکی ہی دراصل خوشی ہے

ایک شکاری نے کسی گانے والے پرند کو پکڑ لیا، اور اس کو ذبح کرنے کے لئے چھری اُٹھائی۔ پرند نے کہا "میرے اُوپر مہربانی کر اور مجھ کو قتل مت کر"۔ شکاری نے معصوم چڑیئے کی صورت کی طرف نگاہ کی کہنے لگا "ایک شرط پر تم کو رہا کروں گا۔ تم یہ بتا دو، میں کیوں دُکھی

کتابیں

جو زندگی سنوارتی ہیں

پردہ مجاز	منشی پریم چند	ناول	۷/۰
غبن	منشی پریم چند	ناول	۵/۷۵
کربلا	منشی پریم چند	ڈرامہ	۳/۰
خواب و خیال	منشی پریم چند	افسانے	۳/۵۰
رُوٹھی رانی	منشی پریم چند		۱/۵۰
سولہ سنگار	سُدرشن	افسانے	۵/۰
نرم گرم	کنہیالال کپُور	مزاح	۳/۲۵
بال و پر	کنہیالال کپُور	مزاح	۳/۰
ٹیگور کے ڈرامے	۵	ڈرامے	۳/۰
شاہراہ زندگی	ترجمہ پروفیسر رام سروپ کوشل	نفسیات	۲/۲۵
بات کی بات	ہنسراج رہبر	ناول	۳/۵۰
آنکے بانکے	ہنسراج رہبر	ناول	۴/۲۵
کالے دھبے گورے بدن	جمناداس اختر	ناول	۴/۰
راج سنگھ	بنکم ترجمہ سُدرشن	ناول	۲/۰
پریت کے گیت	الطاف مشہدی	کلام	۲/۲۵
رقص بہار	رام کرشن مضطر	”	۳/۵۰
پھوار	نریش کمار شاد	”	۲/۵۰
رُوحانی اشارے	شوبرت لال	رُوحانیت	۱/۵۰
کامیابی کی کُنجی	شوبرت لال	رُوحانیت	۱/–
سائیں کے سو خیال	شوبرت لال	رُوحانیت	۱/۷۵
شاہی جوگی (گوتم بدھ)	شوبرت لال	”	۶/۰

پبلشرز لاجپت رائے اینڈ سنز
اردو بازار۔ دہلی